بسم اللہ الرحمن الرحیم

البرہان علی اعجاز القرآن

ہم مسلمانوں کا ابتدائے تعلیم اسلام سے آجتک مخالفوں کے روبرو دعویٰ بہت اعتماد
اور یقین کے ساتھ پیش ہوتا رہا ہے کہ قرآن مجید لفظ بلفظ کلام الٰہی ہے اور اسکے ثبوت میں
جو دلیل قرآن شریف نے خود بتائی ہے وہی سب مسلمان بیان کرتے رہے ہیں۔ وہ دلیل یہ ہے
کہ یہ کلام الٰہی خود معجزہ ہے یعنی اس طرح کے کلام کا بنانا انسان کی طاقت سے باہر ہے اگر کوئی
جماعت انسانی مع اپنے دوسرے مددگاروں کے جو انکے خیال میں اس کام میں مدد دے سکتے ہوں ایسی
کلام بنانے کی کوشش بھی کریں تو کبھی کامیاب نہ ہوں گے اس کلام کے ایک حصہ معتدبہ کے برابر بھی نہیں
بنا سکتے۔ جب ایسی کلام کا بنانا انسانی طاقت سے اور دوسری مخلوق جو کلام بنانا اس سے منسوب کیا جا سکے اسکی طاقت
سے باہر اور برتر ہے تو انسان اپنی فطرتی عقل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے اگر اس دلیل کو منطقی
شکل میں بیان کرنا چاہیں تو اسکی یہ شکل ہوگی۔ اس طرح کی کلام کوئی انسان نہیں بنا سکتا اور جس طرح کی
کلام کوئی انسان نہیں بنا سکتا اور جس طرح کی کلام انسان نہ بنا سکے وہ خدا کی کلام ہے اس لئے اس طرح کی
کلام خدا کی کلام ہے۔ یعنی اس طرح کی کلام جسکو قرآن کہتے ہیں یا جو قرآن کے نام سے موسوم ہے اور
موجود ہے خدا کی کلام ہے۔ اس استدلال میں تین فقرے ہیں اگر اسکے پہلے دو فقرے صحیح ثابت ہو جاویں
تو تیسرا فقرہ جو نتیجہ اور مدعا ہے خود ثابت ہو جائیگا اور چونکہ پہلے دو فقرے ایسے بدیہی نہیں ہیں کہ
ہر ایک سلیم العقل بمجرد انکے سننے اور سمجھنے کے انکو تسلیم کر لیوے اسلئے پہلے انکی صحت ثابت ہونی چاہیے
اب فقرہ نمبر ا یعنی اس طرح کی کلام انسان نہیں بنا سکتا اسکے ثبوت دو قسم کے ہیں ایک نقلی دوسرے
عقلی نقلی ثبوت سے میری مراد وہ ثبوت ہے جو محض تاریخی شہادت ہیں جو عقلاً قابل اعتماد اور یقین
کے ہو سکتے ہوں اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ثبوت محض نقل کی صحت کے اعتقاد پر تسلیم کر لیا جاوے
مگر شواہد نقلی کے بیان کرنے سے پہلے ثبوت مدعی کیلئے اس امر کا ثابت کرنا ضروری ہے کہ جو قرآن اسوقت

موجود ہے یہ بعینہٖ وہی کتاب ہے جو رسول عربی کی حیات میں کامل ہو چکی تھی۔ تمام اہل علم نصاریٰ
یہودی، ہندو، بدھ، وغیرہ جو مذہب اسلام اور مسلمانوں سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں اس
امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ بانی اسلام ملک عرب میں ہوا ہے اور انکی زبان عربی تھی اور قرآن
عربی زبان میں ہے اور چونکہ قرآن کو نازل ہوئے تیرہ سو برس سے زیادہ نہیں گذرے ہیں
یعنی بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے اور مسلمانوں کی تعداد جو اس کتاب پر ایمان رکھتی ہے بیس کروڑ
سے زیادہ ہے اور یہ قوم کرۂ زمین کے مختلف براعظموں اور جزیروں میں پھیلی ہوئی ہے اور باہم
قانون قدرت کے موافق جیسے دوسرے مذہبوں میں بھی دیکھا جاتا ہے اس مذہب میں بھی مختلف
فرقے ہو گئے جو کسیقدر باہم مختلف بھی پائے جاتے ہیں مگر ان تمام مسلمانوں کے پاس مختلف ملکوں اور ہزار
فرقوں میں ایک ہی قرآن ہے یہانتک کہ ایک لفظ کا تفاوت بھی قرآن کے کسی دو نسخوں میں جو
وہ کیسی ہی مختلف زمانوں اور ملکوں کے لکھے ہوئے کیوں نہ ہوں پایا نہیں جاتا اس سے یقینی طور پر ثابت
ہوتا ہے کہ جو قرآن نبی عربی کے زمانے میں کامل ہو چکا تھا وہی قرآن بلا کمی و بیشی یا تبدل و تغیر یا اور
کے آجتک موجود ہے کیونکہ اگر رسول عربی کے بعد کسی زمانے میں کسی ملک اور کسی فرقے میں اس
کتاب میں ذرا بھی تغیر ہوتا تو وہ تغیر صرف اوس زمانے کے بعد اوسی ملک یا فرقے کے نسخوں میں پایا جاتا
اوس زمانے سے پہلے نسخے اور دوسرے فرقے یا ملک والوں کے نسخے اوس سے مختلف ہوتے لیکن
ایسا اختلاف کبھی نہیں پایا گیا اسلئے یقیناً ثابت ہوا کہ یہ قرآن بعینہٖ وہی ہے جو رسول عربی کے زمانے
میں نازل اور کامل ہو چکا تھا۔ ✣ اس موقعہ پر کسی مخالف مذہب اسلام کو اسلام کی تاریخ کی اچھی واقفیت ہو

نوٹ — اگرچہ عیسائیوں اور یہودیوں کی کتب مقدسہ بھی آجکل کے مختلف فرقوں اور ملکوں میں ایک ہی عبارت پر پائی جاتی
ہیں لیکن یہ سب انکی کتابیں ایک نہیں ہیں بلکہ مقدس مرتبوں اور دوسرے محرروں کی تحریروں سے بخوبی روشن ہے پہلے زمانوں میں
ان کتب مقدسہ کے نسخے پائے جاتے تھے۔ سب میں اختلاف ہوتی نہیں کوئی نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ ان مختلف نسخوں میں سے کونسا صحیح
سب کو منسوخ ہو کر کچھ نسخے صحیح درست کئے گئے اور انکا رواج ہو گیا اسکے بعد جیسا چھاپہ ایجاد ہوا تب سے ان نسخوں کو عام رواج ہو کر
زیادہ ہو گئی مگر جب مختلف ترجموں کا مقابلہ کرو تو اب بھی بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور ان میں بعض کتابیں ایک فرقہ
صحیح تسلیم کرتا ہے دوسرا انکو نہیں یا ایک فرقہ کسی کتاب کو الہامی کہتا ہے دوسرا صرف عام تاریخ کی وجہ سے اسکی زیادہ نہیں کرتا
مصنفوں کا آجتک پتہ نہیں کہ کون تھے اور انکی تالیف کا زمانہ اور مقام آجتک ٹھیک معلوم نہیں علاوہ اسکے جو کتابیں مقدس ہیں

مقبول کی ہیں ان میں بہت الفاظ و روایات ایسی درج ہیں جنکو خود عیسائی اور یہودی بغیر محرف اور غیر معتبر بتلاتے ہیں اگر کوئی شخص اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق

کے باعث پہر استبداد ہو کر عثمان رضی اللہ عنہ جو رسول عربی کے بعد تیسرے خلیفہ ہوئے ہیں وہ جامع قرآن کے لقب سے ملقب ہی ہوگئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے قرآن کے جمع کرنے میں کچھ تغیر یا تحریف کی ہو اور چونکہ اسوقت کل مسلمان اس خلیفہ کے تابع اور محکوم تھے اسوجہ سے انکی یہہ کارروائی کارگر ہوگئی ہو تو یہہ اشتباہ اسلام کی تاریخ پر ادنیٰ غور کرنے سے رفع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کو پانچ وقت نماز میں پڑہنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے اور قرآن کی تعلیم ہر ایک مسلمان کی ہدایت کیلئے ضروری خیال کیگئی ہے علاوہ اسکے تلاوت قرآن جسقدر ہو سکے ہر ایک مسلمان کیلئے موجب ثواب کا ہے اسلئے جزیرہ نمائے عرب کے تمام بالغ مرد اور عورتیں جو رسول عربی کی حیات میں مسلمان ہو چکے تھے کم و بیش ان سبہوں نے قرآن حفظ کیا ہوا تہا۔ اور چونکہ قرآن شریف توریت اور دیگر صحف کی طرح ضخیم کتاب نہیں ہے اور عربی زبان ہونیکے باعث اوسکا یاد کرنا بہی عربوں کیلئے سہل تہا اور اسکے یاد کرنیکے لئے ہر طرح کی تاکید اور ترغیب ہوتی رہتی تہی۔ در اصل عربلوگ لکھنا پڑہنا بہی نہیں جانتے تھے اور نہ کاغذ وغیرہ کتابت کا سامان میسر ہوتا اسوقت سہل تہا۔ یہہ امر سب کے لئے ضروری تہا کہ جہانتک ہوسکتا قرآن شریف کو حفظ کرتے اور تواریخ اسلام اور حدیثوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ میں ایسے سینکڑوں اشخاص موجود تھے جنکو بصحت تمام اول سے آخر تک قرآن شریف حفظ تہا۔ البتہ رسول عربی کے زمانے میں قرآن شریف بہ ترتیب موجودہ ایک کتاب میں جمع ہوا ہوا نہیں تہا۔ نہ اسکے پاروں اور رکوعوں کی تقسیم ہوئی تہی نہ آیات والفاظ و حروف کا شمار ہوا تہا اور ضرورت نہ ہونیکے باعث حرکات و سکنات کے نشان ہی نہیں کئے گئے تھے جسکی وجہ یہہ بہی کہ رسول عربی کے زمانے میں قرآن شریف ایک مرتبہ نازل نہیں ہوا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتا تہا اور جسقدر جسوقت نازل ہوتا تہا اسیقدر اسیوقت کسی چمڑے پر یا شانے کی ہڈی پر یا کسی اور چیز پر لکھ لیا جاتا تہا اور بہت سے اصحاب اسکو حفظ یاد کر لیتے تھے اور رسول مقبول تو ضروری ہی دہراتے رہتے تھے جنگلی بدو لوگ بہی حتی الامکان نماز اور تلاوت کے لئے یاد کر لیتے تھے مگر جیسا تمام ملکوں میں ہوتا ہے ایسا ہی وہاں بہی جنگلی لوگوں کے تلفظ اور لہجے دور دور رہنے والے عربوں کے تلفظ مکہ مدینہ والوں سے مختلف ہوتے تھے اسلئے ممکن تہا کہ ان میں سے بعض کے تلفظ میں کسقدر اصلی الفاظ سے تفاوت بہی ہو جاتا ہو یا بعض جنگلی وحشی یا ضعیف العمر یا ضعیف حافظہ دیر سے یاد کرنیکے بعد سہو کے باعث کچھ غلط ہی پڑہنے لگے ہوں۔ مگر جب سینکڑوں انصار و مہاجرین مکہ مدینہ والے اور دوسرے قریب کے

شہر کے رہنے والے بدل و جان محنت کرکے اور محض اسی کتاب کو اپنے دین و ایمان اور نجات کا
موقوف علیہ سمجھکر یاد کرتے اور اونکو سکھلاتے تھے تو ممکن نہیں ہے کہ ایک جم غفیر تمام قرآن
کا حافظ بصحت تمام رسول کے آخری زمانے میں موجود نہ ہو۔ البتہ رسول مقبول کی وفات کے
بعد جب خلیفہ اول ابوبکر صدیق عہدہ خلافت پر مقرر ہوئے اور مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں کچھ حافظ
شہید ہو گئے تو حضرت عمر کو اور اونکی صلاح سے خلیفہ اول کو یہہ خیال پیدا ہوا کہ اگر خدا نخواستہ
اسطرح سے لڑائیوں میں بہت سے یا تمام حافظ شہید ہو گئے تو قرآن کی صحت میں کہیں فرق نہ آجائے
یا قرآن ضائع نہ ہو جائے اسلئے اونہوں نے زید بن ثابت جو حافظ قرآن تھے اونکی مدد سے اور
جو قرآن پتوں اور چمڑوں وغیرہ پر لکھا ہوا حضرت کے زمانے سے ایک صندوق میں محفوظ تھا اسکو
منگوا کر دوسرے حافظوں سے اور ان لکھے ہوئے ٹکڑوں سے مقابلہ کرکے بصحت تمام ایک جگہ
نقل کرالیا تھا۔ اور آیندہ کے لئے قرآن کے ضائع ہونے سے اطمینان ہو گیا تھا لیکن حضرت عثمان
خلیفہ ثالث کے زمانہ میں یہہ بات معلوم ہوئی کہ اہل عراق اور اہل شام اور دوسرے شہروں کے باشندوں
میں قرآن کی نسبت اسطرح کا اختلاف ہے کہ اہل شام کہتے تھے کہ ہم نے قرآن مقداد بن اسود سے
پڑہا ہے جو صحیح ہے اور اہل عراق کہتے تھے کہ ہم نے ابی موسے اشعری سے پڑہا ہے یہ صحیح ہے
اور علی ہذا القیاس دوسرے شہروں میں ہوا۔ ممکن ہے کہ سورتوں کی ترتیب میں ان لوگوں میں
اختلاف ہو گا یا کسی کو اسمیں سے کوئی کوئی آیت کسی سورۃ کی یاد نہ ہوئی ہو یا بھول گیا ہو یا جسکو
اختلاف قرأت کہتے ہیں صرف وہی اختلاف ہو تاہم ایک قسم کا اختلاف تھا جسکا رفع کرنا مناسب
بلکہ ضروری تھا اسلئے عثمان رضی اللہ عنہ نے وہی قرآن حضرت حفصہ زوجہ رسولؐ کے پاس
سے منگوایا جو حضرت ابوبکر صدیق نے بامداد حفاظ اور کتاب کے بڑی صحت کے ساتھہ لکھکر اونکے
سپرد کیا تھا اور اوسکی کئی نقلیں کراکر مختلف ضلعوں اور شہروں میں بھجوا دیں اور اوسکی اور نقلیں
کراکے تقسیم کرادیں اور جن لوگوں کے پاس جو کچھ ناقص اور بے ترتیب سورتیں لکھی ہوئی تھیں انکو
جمع کراکے آگ میں جلوا دیا تھا۔ تاکہ آیندہ کو اختلاف باقی نہ رہے۔ اسوقت کسی نے عثمان کی نقلوں
کی نسبت یہہ اعتراض نہیں کیا کہ اسمیں کچھہ غلطی ہوئی ہے یا تغیر و تحریف ہوئی ہے حالانکہ اوسوقت
ہزاروں حافظ قرآن کے موجود تھے۔ البتہ قرأتوں کا اختلاف جو کچھہ اونمیں موجود تھا وہ آج تک

تفسیروں میں لکھا چلا آتا ہے مگر وہ اختلاف کسی لفظ کی ایسی کمی بیشی کا نہیں ہے جو مخل معنی
ہو زیادہ تر حرکات و سکنات اور اعراب کا اختلاف ہے جسکو ہر ایک منصف شخص دیکھکر کہہ
سکتا ہے کہ یہہ تو کچھہ اختلاف نہیں ہے۔ علاوہ اسکے اسی زمانہ میں تین چار سال کے بعد
اہل مصر میں سے کچھہ لوگوں نے بغاوت کرکے حضرت عثمان کو قتل بھی کردیا۔ اور اپنے دشمنوں کو
جو کچھہ بہانہ بغاوت اور قتل کا تہا اونہوں نے کیا مگر کسی نے یہہ الزام نہ دیا کہ عثمانؓ نے قرآن
میں تحریف یا کمی بیشی کی ہے۔ دور کیوں جاؤ شیعوں کا گروہ اور خارجیوں کا گروہ جو اوسی زمانہ
میں یا تہوڑے عرصہ بعد پیدا ہوگیا تہا اور دونوں حضرت عثمانؓ کے بڑے مخالف تھے۔ اور
یہہ دونوں فرقے آجتک عرب میں اور دوسرے ملکوں میں موجود ہیں مگر اون کے
پاس بہی یہی قرآن موجود ہے اوس میں ذرہ کمی بیشی نہیں ہے۔ اور نہ وہ عثمان کو
تحریف قرآن کا الزام دیتے ہیں۔ پھر کسطرح سے اشتباہ ہوسکتا ہے کہ عثمان نے قرآن میں
کچھہ تصرف کیا ہو۔

اس تمہید بالا سے یہہ امر تو درجہ یقین کو پہنچگیا کہ جو قرآن رسول عربی پر نازل ہوا
تہا اور اونکے زمانہ حیات میں کامل ہوچکا تہا وہی قرآن بعینہ آجتک تمام اہل اسلام کے
پاس موجود ہے۔ اور نیز یہہ بہی خیال رہے کہ اصحاب ایسے صاف طینت اور نیک نیت
تھے کہ جو بات اونکو دین کی معلوم ہوتی تہی اوسکو کبہی چھپایا نہیں کرتے تھے خواہ وہ امر
متنازعہ فیہ ہو یا سب کے نزدیک مسلم ہو۔ چنانچہ شرعی مسائل کا اختلاف اسلام کے مختلف
فرقوں میں آجتک اسی بنا پر چلا آتا ہے مثلاً حنفی نماز میں رفع یدین نہیں کرتے آمین
بالجہر نہیں کہتے۔ شافعی یہہ دونوں کام کرتے ہیں۔ مالکی نماز میں ہاتہہ لٹکا کر کہڑے ہوتے ہیں۔
اور حنفی شافعی ہاتہہ باندہتے ہیں۔ علی ہذا القیاس نماز کی دعاؤں میں اختلاف ہے اسیطرح
سے دوسرے بہت سے مسائل شرعیہ میں اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی وجہ یہہ ہے کہ جس
اصحابی کو جسطرح رسول سے کوئی کام معلوم ہوا وہ اسی طرح سے کرتا رہا۔ جو کام رسول نے کئی طرح
کیا تہا اصحاب میں جسکو جسطرح کا علم ہوا وہ اسی طرح سے کرتا رہا۔ بعدہٗ کسی نے کسی اصحابی
کی پیروی کی اور کسی نے کسی کی۔ اسطرح سے بہت سے فروعات میں اختلاف ہوکر کئی فرقے بنگئے

ان میں سب اصحاب خلیفوں کے افعال واقوال کی پیروی کرنی لازم جانتے اور ان پہلی معلومات کو چھوڑ دیا کرتے تو نماز جیسی عبادت میں جس کا روز پانچ مرتبہ ہر ایک مسلمان پر ادا کرنا لازم ہے کسیطرح کا اختلاف نہ رہتا لیکن ایسے خفیف معاملوں کے ہزارہا اختلاف موجود ہیں اور آجتک موجود ہیں تو شک نہیں کہ عثمان کی تحریف کیے قرآن کو سب ان پہلے دور اپنے پہلے یاد کیے ہوئے بھلا دیے۔ کم سے کم اتنا تو ضرور ہوا کہ بہت سی آیتیں تفسیروں اور حاشیوں میں نقل ہوتی ہوئی چلی آئیں کہ پہلے پڑھی جاتی تھیں۔ عثمانوں نے بعد میں انکو نکال دیا یا بدل دیا۔ بعض آیتیں رسول کے زمانے میں نہ تھیں کہ بعد میں بحال ہوئیں۔ اس مقدمے کے بیان کرنے کی ضرورت اسلیے ہوئی کہ کوئی شخص یہ غلطی نہ کرے کہ قرآن جو اپنے معجز ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ شاید یہ دعوے بعد بڑھا دیا گیا ہوگا اور جب تمام عرب مسلمان ہو گئے تب انہوں نے اعتقاد یا پاس مذہب کے باعث اس دعوے کا ابطال نہ کرنا چاہا ہو۔

یہی قرآن دعوے کرتا ہے کہ میں منزل من اللہ ہوں۔ خدا کا کلام ہوں۔ اگر تمکو شک ہے تو اوسکے کسی ایک حصے کے برابر اسکے جیسا بنا لاؤ۔ دوسرے مددگاروں سے بھی مدد لے لو۔ مگر تم ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے۔

اوس وقت بہت یہود اور نصاریٰ عرب میں موجود تھے جو پشتوں سے وہیں بستے تھے یا خود عرب میں سے ہی دین بدل کر نصاریٰ یہود ہو گئے تھے اور نہیں بہت لکھے پڑھے بھی تھے۔ اور اونمیں سے جو ایمان نہ لائے تھے مقابلہ سے مجبور ہو کر عناد وحسد کے باعث اوس ملک کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اونہوں نے اتنی تکلیف نہ اٹھائی۔ خود عربی زبان بولتے تھے ایک سورۃ قرآن کی مانند بنا کر دکھلا دیتے اور کہتے کہ یہ قرآن کیسا کلام الٰہی ہے۔ دیکھو ہم بھی ایسا بنا دیتے ہیں پھر یا تو رسول عربی کو بشرط معال اپنا دعوی چھوڑنا پڑتا یا اونکو دعوت کرنے سے شرمانے اور اگر یہ کہو کہ شاید اونہوں نے ایسا قرآن بنایا ہو بلکہ کئی بنائے ہونگے مگر مسلمانوں نے زبردستی سے اونکو نکال دیا۔ اور اونکے ساتھ انصاف نہ کیا تو چاہیے تھا کہ جیسے وہ لوگ دوسرے ملکوں میں چلے گئے تھے وہیں جا کر دوسرے مقابلہ کرتے اور قرآن

کی مثل لکھکر اپنی راستی کی دلیل اپنے پاس رکھتے اور دوسرے مخالفین اسلام کو دکھلا کر اس دعوی کی تکذیب کرتے۔ اگر فرض کرو کہ انہوں نے ایسا کیا ہو مگر بعد کی لڑائیوں میں وہ تحریریں تلف ہوگئی ہوں تو ضرور تھا کہ عیسائی اور یہودیوں نے جو اسلام کی تاریخ قریب اوسی زمانے کے لکھی ہیں اوسمیں کچھ مصنوعی قرآن کی نقلیں لکھتے یا کم سے کم اتنا تو لکھتے کہ فلاں فلاں صاحبوں نے قرآن کے مقابل کچھ سورتیں لکھی تھیں مگر افسوس ہے کہ وہ تحریریں کہیں تلف ہوگئیں اب مل نہیں سکتیں۔ مگر اس بات کا بھی کسی تاریخ سے پتہ نہیں لگتا۔ یورپ کے عیسائی سالہا سال ہزاروں کوسوں سے آکر شام کے ملک میں جو مسلمانوں سے جنگ تو کرتے رہے اور انکے تاریخی احوال لکھنے میں بڑی کوشش کی بہت سی کتابیں لکھیں مگر کسیکو اتنا پتہ نہ لگا کہ کسی عیسائی یا یہودی نے کبھی قرآن کی مانند بھی کچھ لکھا تھا۔ اسلام پر داغ لگانے کی نیت سے یہ تو لکھدیا کہ خلیفہ دوم نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلوا دیا مگر جو ضروری امر تھا یعنے قرآن کے معجز ہونیکے دعوے کے بطلان کی طرف کسی نے توجہ نہ کی اگر منصف کی نظریں ان باتوں پر غور کرنے سے اتنا تو معلوم ہو جائیگا کہ قرآن نے معجز ہونے کا دعوے کیا اور کہا اگر تمکو شک ہے تو ایسا کلام بنا لاؤ مگر تم ہرگز نہیں بنا سکو گے اسپر بھی اس دعوے کے باطل کرنے پر کسیکی [illegible] ظاہر ہے کہ جب [illegible] قرآن کے زمانہ میں جبکہ عیسائی اور یہودی اور مشرک عرب سب موجود تھے اور [illegible] زمانہ میں فصاحت اور بلاغت کی ترقی کر رہی تھی اس ملک کے لوگوں کو [illegible] شوق تھا اور قرآن [illegible] کی ان میں [illegible] اور سلطان [illegible]

نوٹ: حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ [illegible] انگریزی [illegible] کہ سکندریہ کا عجائب خانہ اور کتب خانہ مسیح سے تین سو سال پہلے بطلیموس اول [illegible] ایک [illegible] گئی تھیں مگر قیصر جولیس نے جب سکندریہ کا محاصرہ کیا ہے اسوقت یہ کتب خانہ [illegible] جل گیا [illegible] محاصرہ ہوا تھا [illegible] تھیوڈوسیس نے سکندریہ کے [illegible] کو حکم بھیجکر بطلیموس کا کتب خانہ [illegible] مقدس [illegible] [illegible] اسکندریہ کا [illegible] مشہور [illegible] سال بعد [illegible] کتب خانہ کی الماریاں اور صندوق بالکل خالی پائے باوجود اسکے عیسائی مخالفوں نے کتب خانہ کے جلانیکا بہتان حضرت عمرؓ کے ذمہ لگا دیا۔

ہی ایسے ضعیف ہیں کہ جھوٹ مقابلہ کرنے والوں کو بھی مقابلہ کرنے سے جبراً نہیں روک سکتے تھے
ویسے وقت میں اوس کتاب کا مقابلہ نہ ہو سکا تو اب جو اس زمان میں بلحاظ زمانے کے بہت کچھ تغیر ہو گیا ہے
اور بقانون قدرت کے موافق آئندہ کو ہوتا جائیگا۔ کسطرح سے ممکن ہے کہ اب یا آئندہ کوئی شخص
اوس کتاب کا مقابلہ کر سکے۔

اب نقلی دلیل سے یہ بات تو ثابت ہو چکی کہ آجتک کسی نے قرآن کی مثل بنائی اور نہ کبھی
بنا سکا ہے اور جو وقت اور جس موقع پر اور جس دور سے اور جن لوگوں کے مقابلہ میں یہ دعویٰ
کیا گیا اور پھر بھی اوس وقت ان میں سے کسی نے مقابلہ نہ کیا تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مقابلہ کرنا
ان لوگوں کی طاقت سے باہر تھا اور جب انکی طاقت سے باہر تھا تو پھر بعد کے زمانہ میں تو بطریق
اولیٰ قرآن کے مثل بنانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

اب عقلی دلیل کو بھی دیکھنا چاہیے کہ آیا بیشک قرآن کی مثل بنانی محال ہے اور اگر محال ہے تو اسکی
وجہ کیا ہے۔ اہل اسلام نے اس محال کی بہت سی وجوہات لکھی ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اسکی فصاحت ایسی اعلےٰ
درجہ کی ہے کہ انسان اسکی مثل نہیں بنا سکتا۔ یا اوس میں ایسے اسرار علمی اور حقایق و معارف دینی درج ہیں
جنکے لکھنے پر کوئی انسان قادر نہیں ہو سکتا۔ یا اس میں قصص ماضیہ اور اخبار مستقبلہ جنکی تصدیق بھی ہوتی
جاتی ہے بتائے گئے ہیں جنکا علم انسان کو نہیں ہو سکتا۔ یا جیسے ہدایت کی باتیں اسمیں سکھلائی
گئی ہیں کسی انسانی تصنیف میں نہیں پائی جا سکتیں۔ یا اتنی چھوٹی سی کتاب تمام ضروریات دینی
پر حاوی ہے۔ انسان کی کلام ایسی جامع نہیں ہو سکتی یا اگر کوئی انسان ہر قسم کے مختلف مضامین لکھے
تو ضرور ہے کہ انسانی علم ناقص ہونے کے باعث اوسکی تحریر میں بہت جگہ اختلاف
پایا جائیگا۔ یا جو کچھ وہ لکھیگا اوس میں سے بہت سی باتیں واقعہ کے خلاف پائی جائینگی۔ مگر اس کتاب میں یہ نقص نہیں ہے۔ یا مثلاً انسان کی خاصیت ہے

تعلق [illegible] ہو گی کہ مقدس [illegible] کتاب وید [illegible] مذہب انکو معلوم نہیں کیونکہ مسیح کے زمانہ میں کسی انجیل کا لکھا جانا ثابت نہیں
اور وید وہ جو پچھلی لکھی گئیں [illegible] یونانی [illegible] اور عالم لوگوں کو مسیح کی صدی تک یہ باسلوم نہ ہو
کر سکیں پس کوئی الہامی کتاب [illegible] انجیلوں کا حال بھی آج انکی [illegible] بڑی کلام ہوتی مگر قرآن شریف کا یہ حال
نہیں ہے بلکہ وہ شروع سے مخالفوں کو سنا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ یہ خدا کی کلام ہے ۔

کہ غصہ کی حالت میں اُس کو رحم نہیں رہتا لیکن قرآن شریف میں جہاں قہر کے ساتھ وعید سنائے گئے ہیں وہیں رحم کے ساتھ معافی کے وعدے اور نعمتوں کی خوشیاں بیان کی گئی ہیں۔ یا شاعروں اور مصنفوں کو دیکھا گیا ہے کہ کوئی کسی خاص مضمون کے لکھنے میں بڑا ہیچ ہوتا ہے کوئی کسی مضمون کے لکھنے میں استاد مانا جاتا ہے کوئی ہجو اچھی لکھتا ہے کوئی رزم کا خاکہ خوب کھینچتا ہے کوئی عشقیہ مضامین خوب لکھ سکتا ہے۔ کوئی قدرتی موجودات کی عمدہ تصویر کھینچتا ہے مگر ہر ایک قسم کے مضمون لکھنے پر کوئی یکساں قادر نہیں ہوتا مگر قرآن کا حال اس کے خلاف ہے اس میں ہر ایک قسم کا مضمون ابلغ طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ سب باتیں صحیح ہیں اور خود قرآن سے ثابت ہیں کہ یہ تمام خوبیاں اس کتاب میں موجود ہیں اور بے شک ان میں سے بعض خوبیوں پر بھی انسان کی کلام حاوی نہیں ہو سکتی لیکن یہ وجوہات ایسی ہیں جیسے کوئی شخص کہے کہ گھوڑا خدا کی مخلوق ہے انسان ایسا جانور پیدا نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی اس کی وجہ پوچھے تو یہ جواب ملے کہ ایسی خوب صورت شکل آدمی نہیں بنا سکتا یا ایسا نرم اور سخت ملا ہوا جسم آدمی سے نہیں بن سکتا یا اس طرح سے حرکت کرنے والی تصویر انسان نہیں بنا سکتا یا اس طرح کا باریک اور ہموار بال کسی سے نہیں بن سکتے۔ یہ سب کچھ سچ ہے اور اس کے تسلیم کرنے سے کسی معقول شخص کو انکار نہ ہوگا۔ لیکن ان جزوی خوبیوں کے بیان کرنے سے پوری بصیرت حاصل نہیں ہوتی البتہ غور کرنے سے ایک اور بڑی قوی دلیل نکلتی ہے جس کو دلیل قاطع کہنا چاہیے اور جس پر غور کرنے سے یقین کلی حاصل ہو جاتا ہے کہ بے شک۔ قرآن انسانی کلام نہیں ہے اور ایسی کلام بنانی انسان کی طاقت سے باہر ہے۔

اس دلیل کے سمجھنے کے لئے پہلے ایک مقدمہ کا سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک انسان دو قاعدوں کو قدرتی طور پر یقینی اور صحیح تسلیم کرتا ہے۔ ایک یہ کہ ہر ایک وقوعہ کے لئے کوئی سبب ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ جو امر آج علت ہوا ہے ایک معلول کا وہ امر زمانہ ماضی میں بھی اُسی معلول کی علت تھا اور زمانہ آئندہ میں اسی طرح سے ہو گا۔ یعنی جب وہ پہلا امر واقعہ ہو گا تو دوسرا ضرور اُس کے بعد ہو گا۔ پہلے قاعدے کو سلسلہ علت و معلول

لگتا ہے اس کو ہر ایک شخص ضروری اور عام مانتا ہے اور دوسرے کو وحدت قانون
قدرت سمجھنا چاہئے سلسلہ علت و معلول کے ضروری ہونے کا تو خیال یہاں تک
عام ہوا ہے کہ جب کوئی نیا وقوعہ جہان میں واقع ہوتا ہے تو ہر ایک شخص اُس کی علت
تلاش کرنے لگتا ہے کہ کیا کیوں ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک فرد بشر کو اس
امر کا یقین ہے کہ ہر ایک وقوعہ کے لئے کوئی علت ہونی چاہئے اور اسی طرح کہ جب
کسی کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں امر فلاں وقوعہ کی علت ہے تو جب کبھی ماضی یا حال
یا استقبال میں اُس امر کے واقع ہونے کا علم ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ اُس کے معلول
کے وقوعہ کا یقین بھی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر بچہ ایک مرتبہ آگ کو ہاتھ میں پکڑنے
سے تکلیف اٹھاتا ہے تو دوبارہ آگ کو ہاتھ لگانے سے ڈرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ اس کو یقین ہے کہ جس آگ نے ایک مرتبہ پکڑنے سے جلا دیا تھا وہ پھر بھی
پکڑنے سے جلا دے گی فی انسان کے تمام علوم نظری* حاصل کرنے کے لئے خدا نے
یہی دو مبادی اس کی طبیعت میں رکھے ہیں اگرچہ حکما نے اس کی تحقیق میں اختلاف
کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں علم خدا نے انسان کی فطرت میں پیدا کئے ہیں
اور بعض کہتے ہیں کہ تجربہ سے حاصل ہوتے ہیں یعنی انسان طفولیت سے دیکھتا
ہے کہ ہر ایک وقوعہ کے لئے کوئی سبب ہوتا ہے اور جو امر آج کسی وقوعہ کی علت ہوا
ہے وہی امر ہمیشہ بلاتخلف اُس وقوعہ کی علت ہوتا ہے غرض کسی طرح سے ہو مگر
یہی دونوں علم باقی علوم نظری حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔
اگر کوئی شخص یہ سب کچھ سلسلہ علت و معلول کا تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ضروری
اور عام ہے تو شاید صحیح ہو مگر وحدت قانون قدرت کو تو بہت آدمی نہیں مانتے مثلاً
آگ جو جلانے کا باعث ہے مسلمان لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو آگ نے
نہیں جلایا علاوہ اسی طرح سے ہر ایک مذہب والے خرق عادات جن کو کرامات

* علوم نظری سے وہ علوم مراد ہیں جو محض حواس ظاہری و باطنی کے ذریعے سے
بدون فکر حاصل نہیں ہوتے۔

اور معجزات کہتے ہیں اُن کو ودیعت مانتے ہیں تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اول تو خرق عادت کا تسلیم کرنا خود دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ عادت آلہی کو مانتے ہیں اور جبھی تو خلاف قانون قدرت کا نام اُنہوں نے خرق عادت رکھا ہے۔

اور اگر قانون قدرت کی وحدت پر یقین نہ رکھتے ہوتے تو ایسے وقوعوں کا نام خرق عادت کیوں رکھتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی عادت آلہی یا وحدت قانون قدرت کو مانتے ہیں مگر خاص حالات اور خاص وجہ سے شاذ و نادر موقعوں پر خرق عادت کے وقوع کا امکان مانتے ہیں۔ اور ایسا جو خرق عادت کا ماننا اصلی مطلب میں زیادہ خارج نہیں ہوتا کیونکہ اُن کے اعتقاد میں بھی عادت آلہی کی یک رنگی یہی ضروری ہے کہ خرق عادت کو بڑا عجیب اور بجز خاص حالات کے اس کا واقع ہونا نہیں مانتے۔ ورنہ ان کے نزدیک معجزہ کرامت کا نام خرق عادت کے بجائے حسب عادت ہو جاتا بلکہ جس کو اصطلاح میں وہ خرق عادت کہتے ہیں اس کو بھی حقیقت میں حسب عادت جانتے ہیں اور اس کی توجیہ اس طرح سے کرتے ہیں کہ جو خاص حالات مقتضی خرق عادت کے ہیں وہی قانون قدرت کے موافق اُس عجیب وقوعہ کی علت ہو جاتے ہیں اور جب وہ خاص حالات موجود نہ ہوں تو واقعات عام عادت کے موافق واقع ہوتے رہتے ہیں۔ علاوہ اس امر کے پیرایہ دعوے ہے کہ ہر ایک انسان وحدت قانون قدرت کو فطرت اور طبیعت سے تسلیم کرتا ہے۔

جب یہ بات قرار پا چکی کہ سلسلہ علت و معلول کا اور وحدت قانون قدرت کی ہر ایک شخص اپنی فطرت سے تسلیم کرتا ہے تو اب پہچاننا چاہئے کہ انسان عموماً علامات کے ذریعے سے مجہول کو معلوم کیا کرتا ہے اُس کو صرف علامات کا علم ہوتا ہے اور ان سے معلومات کا سُراغ لگاتا ہے۔ علامات کے سوا کوئی شخص کسی شے کو نہیں جانتا بلکہ صرف علامات کو ہی جانتا ہے۔ مثلاً ایک مکان کو میں جانتا ہوں۔ لیکن جب غور سے دیکھو تو میں اُس مکان کا کیا جانتا ہوں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ اتنا چوڑا اور لمبا ہے اور اتنا بلند ہے ایسا سخت اور مضبوط ہے ایسا رنگ ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب

علامات ہیں جو حواس کے ذریعے سے معلوم ہوتی ہیں اور جس شے کی یہ علامات ہیں اُسکے وجود کا یقین صرف ان علامات سے ہوا ہے۔ اگر ان علامات سے قطع نظر کرو تو وہ موصوف جس کی وہ صفتیں ہیں اُس کو ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ قرآن شریف میں بھی خدائے تعالےٰ نے یہی فرمایا ہے کہ آدم کو یعنے انسان کو اسماء یعنے علامات سکھلائے یعنے اُس کی خلقت میں علامات کے حاصل کرنے کا سامان (حواس) مہیا کر دیا۔ بس اس سے زیادہ اُس کو علم حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں بخشا۔

جس قدر علوم آج تک جہان میں نکلے ہیں سب علامات کے علوم ہیں یعنی علامات کے ذریعے سے مجہولات کا سراغ لگایا جاتا ہے۔ علم طب میں علامات سے مرض تشخیص کیا جاتا ہے۔ علم نباتات میں علامات کے ذریعے سے نباتات کا علم آتا ہے علیٰ ہذا القیاس سب علوم کا حال ہے۔ اور جو امر مجہول دریافت کرنا چاہتے ہیں اُس کی علامتوں ہی کی تفتیش کرتے ہیں اور علامتوں میں ہی سلسلہ علت و معلول اور وحدت قانون قدرت کا یقین کیا جاتا ہے

جب امور مذکورہ بالا طے ہو چکے تو اب ہمکو امر متنازعہ فیہ کی طرف رجوع کرنا چاہئیے یعنی یہ دیکھنا چاہئیے کہ آیا قرآن ایسی کلام ہے کہ جیسی انسان کی کلام ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے یا ایسی نہیں ہے تو حسب امور متذکرہ بالا اس امر کے طے کرنے کے واسطے ہمکو دیکھنا چاہئیے کہ قرآن میں انسان کی مصنوعات کی علامات پائی جاتی ہیں یا نہیں اگر انسان کی مصنوعات کی علامات اس میں پائی جائیں تو یقیناً ثابت ہو گا کہ یہ انسان کی کلام ہے۔ اگر ایسی علامات اس میں نہ پائی جائیں تو یقین ہو گا کہ انسان کی کلام نہیں ہے اور نہ انسان ایسی کلام کے بنانے پر قادر ہے۔ کیونکہ بحسب قاعدہ وحدت قانون قدرت جو علامات انسان کی مصنوعات میں آج پائی جاتی ہیں وہی پہلے بھی پائی جاتی تھیں اور وہی ہمیشہ پائی جائیں گی اور اُس کا عکس یہ ہے کہ جس چیز میں وہ علامات نہ پائی جائیں گی وہ شے کبھی پہلے انسان کی صنعت سے بنی نہ اب۔ اور نہ آئندہ بن سکتی ہے۔

اس امر کی تحقیق کرنے کے لئے ایک ایسے معقول قاعدہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے

کہ جس کی درستی سے کوئی منصف مزاج کسی مذہب کا پابند ہو یا بالکل لامذہب ہو انکار نہیں کرسکتا۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ہم اپنے اور دوسروں کے تجربوں کے ذریعے سے اشیائے مصنوعی اور قدرتی کی جماعت بندی کر لیں جیسے علم نباتات یا علم حیوانات میں نباتات اور حیوانات کے انواع کی جماعت بندی کرلی جاتی ہے اور تب اس جماعت بندی کے علم کے ذریعے سے ہر ایک نئی چیز کی پہچان کی جاتی ہے کہ یہ جزئی کون سے نوع کا فرد ہے۔ ایسا ہی قاعدہ اور شمار علوم عقلیہ میں ہے۔

انسان کے تجربے سے جو علامات مصنوعی اشیاء میں پائی گئی ہیں اور جو علامات قدرتی اشیاء میں پائی جاتی ہیں بغرض ضرورت نقشہ ذیل میں مختصر طور پر لکھی جاتی ہیں۔

مصنوعات انسانی	مخلوقات الٰہی
علت غائی ان کی محدود ہوتی ہے جس کو بنانے والا تو پہلے سے مد نظر رکھتا ہے اور دوسرے اشخاص بھی جو ہم کی سی عقل رکھتے ہیں اسی علت کو سمجھتے ہیں اور وہی کام ان سے لے سکتے ہیں جیسے سٹیم انجن حرکت دینے کے واسطے بنایا گیا ہے وہ سوا سے حرکت کے اور کام نہیں دے سکتا اور ہر ایک انجنیر اس سے وہی کام لیتا ہے۔ مکان گرمی سردی ہوا دھوپ بارش سے پناہ دینے کے واسطے یا اور خاص مطالب کے واسطے بنایا جاتا ہے سوائے ان مطالب کے دوسرے کام میں نہیں آسکتا اور اتقدر	ان کی علت غائی پر انسان کو اطلاع نہیں ہوتا جہاں تک ان میں غور اور ان کے آثار کے تجربہ کرتے جاؤ کہیں ختم نہیں ہوتے۔ نئی نئی باتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ دیکھو درخت قدرتی مخلوق میں انھیں سے بعض سے جلانے کا بھی فائدہ ہوتا ہے حیوانات کی غذا میں بھی کام آتے ہیں دواؤں میں بھی عجیب عجیب تاثیریں ان کی ان سے پیدا ہوتی ہیں۔ کپڑا بھی ان سے بنتا ہے۔ تعمیر میں بھی کام آتے ہیں ایندھن بھی دیتے ہیں کئی اقسام کے رنگ بھی ان سے پیدا ہوتے ہیں اور جہاں تک کیمسٹ لوگ ان سے مفید

کام اس سے عام سمجھ کے آدمی لے سکتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کی عقل محدود ہے اس کی مصنوعات کے فواید بھی محدود ہیں۔

اشیا حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں نکالتے جاتے ہیں کہیں خاتمہ نہیں ہوتا۔ صرف انسان کی عقل و محنت کی ضرورت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خالق کی عقل غیر محدود ہے اس کی مخلوق کے فوائد بھی اور خواص بھی غیر محدود ہیں۔

اس صفت کے زیادہ تر واضح کرنے کے لئے دو تین نظیریں پیش کی جاتی ہیں۔ ایک پوست کا درخت ہے جس سے پوستو نکا عرق اور افیون محدود چیزیں وال حاصل کی جاتی تھیں۔ اب کچھ عرصے سے کیمیا والوں نے اس کی طرف زیادہ توجہ کی ہے اس کے اجزا میں تحلیل ترکیب کا عمل کرکے بہت نئی چیزیں حاصل کی ہیں۔ مثلاً مارفیا اسی کا جوہر ہے جو بڑا مسموم اور مخدر ہے اور قے کو بند کرتا ہے۔ اسی کا ایک اور جوہر ہے جو ایک رتی کے بیسویں حصہ کی مقدار میں دیا جائے تو فوراً قے لاتا ہے اور مخدر مسموم نہیں ہے ایک اور جوہر ہے جو نہایت مقوی ہے اور ایک جوہر ہے جو نہایت مضعف ہے ایسی ہی مختلف اشیوں کے بہت مرکبات اس سے حاصل کیے گئے ہیں اور ابھی خاتمہ نہیں ہوا برابر نئے فوائد کی چیزیں اس میں سے نکلتی چلی آتی ہیں۔

علی ہذا القیاس فلزات کا جہاں تک تجربہ کیا جاتا ہے عجیب عجیب مفید چیزیں ان سے بنتی جاتی ہیں نئے نئے خواص اُن کے ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ظروف اوزار ہتھیار بنانے میں تعمیر وغیرہ میں تو پہلے سے یہ چیزیں کارآمد ہوتی تھیں لیکن قوت برقی قوت مقناطیسی ان میں جو اب معلوم ہوئی ہے ان کے ذریعے سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں روشنی گرمی جذب دفع وغیرہ انہوں نے وہ کرشمے دکھائے ہیں جو ظاہر میں کرامت اور معجزے سے کم نہیں معلوم ہوتے۔

قدرتی مخلوق میں انسان کی سمجھ کے موافق کفایت کا خیال بالکل نہیں ہوتا۔ اس کے بہت سے اجزا فضول معلوم ہوتے ہیں غرض اس میں ہر طرح کی فضولی سمجھ میں آتی ہے یہاں تک کہ جن اجزا کے فواید بھی سمجھ میں آتے ہیں تو ان میں اتنی کثرت دیکھی جاتی ہے کہ ضرورت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے مثلاً عورت کے رحم میں خوردبین کے ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ ستر ہزار کے قریب انڈے ہوتے ہیں جن میں سے نسل پیدا کرنے میں صرف پانچ سات یا زیادہ

(۲) ان کے بنانے میں انسان ہر طرح کی کفایت کو مد نظر رکھتا ہے اس واسطے اپنی سمجھ کے موافق ان کے بنانے میں ضرورت سے زیادہ اپنی محنت اور وقت کو صرف نہیں کرتا اس واسطے انسان کے مصنوع کا کوئی حصہ فضول اور زائد از حاجت نہیں ہوتا کلوں کے بنانے میں مکانات تعمیر کرنے میں غذا تیار کرنے میں۔ کپڑا بنانے میں اور اسی طرح سے ہزارہا مصنوعات

جس طرح ریاضی کے قاعدہ کفایت کا جاری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی طاقت محدود ہے اس لیے اس کی مصنوعات میں فضول نہیں پائی جاتی۔

سے زیادہ پیدا ہوتے ہیں کام آتے ہیں باقی رائیگاں جاتے ہیں۔ علی ہذا القیاس درختوں میں پھول اس قدر آتا ہے کہ ان سے آدھا پھل نہیں پیدا ہوتا ہے اور پھل بھی اتنا پیدا ہوتا ہے کہ وہ سب پختگی کو نہیں پہونچتا اور جس قدر پختہ ہوتا ہے وہ بھی سب کارآمد نہیں ہوتا۔ یہ حال خودرو درختوں کا ہے البتہ انسان جو اپنے لیے زراعت کرتا ہے وہ اپنی ضرورت سے زیادہ نہیں کر سکتا اس لیے اس میں جیسے انسان کی صنعت شامل ہوتی ہے ویسی اس میں کمی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اصلی خواص میں درختوں کے زیادہ فرق نہیں آتا۔ مگر انسان اپنے لیے ضرورت سے زیادہ محنت نہیں کر سکتا اس لیے دوسری وجہ سے اس کے پھل بیکار نہیں جاتے جیسے خدا کی قدرت غیر محدود ہے ویسے ہی اس کی فیاضی غیر محدود ہے۔

(۳) ان کی اشکال ریاضی کی پیدا کی ہوئی سادی شکلوں کے موافق ہوتی ہیں جیسے دائرہ ہے مثلث ہے مربع ہے ان شکلوں کو انسان بنا سکتا ہے اور ان کی پیمائش کر سکتا ہے اور

ان کی اشکال بڑی پیچیدہ اور خیال انسانی بے قاعدہ معلوم ہوتی ہیں۔ ان کے اجزا میں کوئی نظام اور ترتیب نہیں معلوم ہوتی دیکھو جو قدرتی درختوں کے جنگل ہیں ان کی حدود کسی اقلیدس کی شکل کے موافق

لیکے اجزا میں ایک طرح کا نظام اور
ترتیب ہوتی ہے۔ جیسے انسان
جو باغ بناتا ہے اور اسکا احاطہ مربع یا مستطیل
یا کسی اور مساوی شکل کا بناتا ہے کیاریں
اور روشیں بھی اسی خاص اشکال کی بناتا
ہے ہر ایک کیاری میں ایک ایک یا
کئی کئی قسم کے پھول بترتیب لگاتا ہے
ایک تختہ گلاب کا ہے تو دوسرا تختہ جوہی
کا ہے تیسرے میں سوسن ہے تو روشوں
کے کنارے پر گل داؤدی ہیں یا
درمیان میں کوئی فوارہ ہے اور
چاروں طرف سبزہ ہے
یا آم و
یا لوکاٹ کے ہیں جہاں آم کے درخت
ہیں وہاں نیم کے درخت نہیں ہیں
جہاں جامن ہیں وہاں شریفے نہیں ہیں
اور ملا کر بھی کئی قسم کے درخت لگاتا ہے
تو انہیں بھی ترتیب کا ضرور لحاظ کرتا ہے
وجہ اسکی یہی ہے کہ عقل اسکی
ضعیف اور خاص اشیاء کی خوبصورتی
کو ادراک کر سکتی ہے۔

محدود نہیں ہوتیں۔ اسکے درمیان کہیں ببول
ہیں تو ان میں بھی بہت سے پھل دار درخت
ہیں۔ انہیں میں بے پھل درخت بھی نظر آتے ہیں
جہاں سال یا دیار کے عالی شان درخت ہیں
اور انکے بیچ میں چھوٹے چھوٹے پھل دار درخت
ہیں اور ان کے درمیان اور چھوٹے مختلف قسم
کے جھاڑی بوٹے ہیں۔ جن میں آپس میں
بہ نظر انسان کوئی مناسبت اور نظام نہیں
معلوم ہوتا۔ اسیطرح دریا پہاڑ سمندر جنگل وغیرہ
کا حال ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس عالم
کے خالق کے عقل اور علم غیر محدود ہیں اسکے
افعال کی خوبی کو ناقص عقل نہیں سمجھ سکتی

(۴) ان میں صرف خاص زمانہ اور خاص
حالات کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے
اور زمانہ اور حالات کے بدلنے پر

انکو خاص زمانہ اور خاص حالات سے
ایسا تعلق نہیں ہوتا کہ اس زمانہ اور
حالات کے بدلنے سے بیکار ہو جائیں۔

یہ چیزیں بیکار ہو جاتی ہیں اور بے وجود یا دراز مدت تک کار آمد نہیں ہو سکتیں کیونکہ انسان کی عقل اور قدرت ایسی محدود ہے کہ اوسکی مصنوعات بشکل ایسی ہو سکتی ہیں کہ جتنے محدود اور تھوڑے عرصہ کے لئے کار برآری ہو سکے۔

اور معدوم ہو جاتی ہیں بلکہ صانع مطلق کی حکمت سے جو اشیاء پیدا ہوتی ہیں اونکے فوائد غیر محدود زمانے میں برابر اپنی علت غائی کو ظاہر کرتے چلے جاتے ہیں

(۵) انسانی مصنوعات ہمیشہ مردہ بیجان ہوتی ہیں اپنی حفاظت کرنے یا بڑھنے یا کسی حالت کے موافق ہو جانیکی طاقت انہیں نہیں ہوتی اسلئے انہیں وجود میں آتے ہی فنا اور تنزل اور تحلیل کے آثار شروع ہو جاتے ہیں اور چونکہ خارجی آثار کے ساتھ موافق ہو جانے کی طاقت انہیں نہیں ہوتی اسلئے مدت دراز تک ایک حالت پر قائم نہیں رہ سکتیں جلد فنا یا بیکار ہو جاتی ہیں۔

ان تمام میں ایک قسم کی جان اور قوت ہوتی ہے جو اپنی حفاظت خود کرتی رہتی ہے اور تغیر زمانہ اور حالات کے موافق اپنے آپ کو بنا لیتی ہے حیوانات کی جان تو ظاہر ہے۔ نباتات میں قوت طبعی اونکے تغذیہ اور بدل ما یتحلل کے لئے ظاہر موجود ہے۔ جمادات میں بھی ایسی قوت ہوتی ہے کہ جس سے وہ بڑھتے اور اپنے وجود کی حفاظت کرتے ہیں اور سردی گرمی خشکی تری وغیرہ حالات کے تغیر کے ساتھ آپ ایسے متغیر ہو جاتے ہیں کہ تغیر حالات اونکو جلد تباہ نہیں کر سکتے۔

اگرچہ قدرتی اور مصنوعی اشیاء میں بے انتہا علامات متباینہ موجود ہیں۔ لیکن اس مقام پر امتیاز حاصل کرنیکے لئے یہہ پانچ علامتیں مذکورہ کافی خیال کیگئی ہیں۔ اب وحدت قانون قدرت کے قاعدے کے موافق انسانی کلام میں ہمیشہ انسانی مصنوعات کی علامات پائی جانی چاہئے اور اگر کوئی کلام الٰہی موجود ہو تو اوسمیں قدرتی اشیاء کی علامات موجود ہونی ضروری ہیں۔ چنانچہ جسقدر تصنیفات انسانی دیکھی گئی ہیں انہیں وہ پانچوں علامتیں مصنوعات انسانی کی پائی جاتی ہیں یعنے (۱) علت غائی اونکی محدود ہے۔ جو غرض اسکی تصنیف سے مصنف کو منظور ہوتی ہے وہی غرض دوسرے لوگ اوس سے سمجھتے ہیں۔

کوئی نئی نئی باتیں اس سے ہمیشہ پیدا نہیں ہوتی رہتیں۔ (۲) کفایت شعاری اسکی تصنیف میں مدنظر رہتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ بار بار ایک ہی مضمون کی بحث و تکرار نہیں ہوتی۔ (۳) اسکی عبارت کی ایک خاص طرز اور اسکے اجزا میں ایک قسم کی ترتیب جو انسانی طاقت کے موافق ہوتی ہے پائی جاتی ہے۔ (۴) اور ایسی ہی ایک تصنیف ایک خاص زمانہ اور خاص حالات کے ساتھ ایسی مناسبت رکھتی ہے کہ مدت دراز تک اسکی قدر اور ضرورت یکساں نہیں رہتی۔ (۵) اور یہ کتابیں ایسی بے جان ہوتی ہیں کہ انمیں کوئی طاقت اپنی حفاظت کرنے کی اور تغیر حالات کے ساتھ موافقت پیدا کرنیکی نہیں ہوتی۔

اب قرآن شریف کو دیکھو تو ان علامتوں میں سے کوئی علامت اس میں نہیں پائی جاتی لیکن قدرتی اشیاء کے تمام لوازم اسمیں نظر آتے ہیں مثلاً (۱) عظمت معانی اسکی ایسی وسیع ہے کہ مفصل طور پر کوئی انسان اسپر احاطہ نہیں کر سکتا اگرچہ اجمالی طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی غرض ہدایت ہے لیکن جہانتک اسمیں غور کرتے چلے جاؤ نئے نئے اسرار اور نکات ظاہر ہوتے چلے جائینگے۔ اور کبھی انکا انجام نہ ہوگا۔ تیرہ سو سال سے علماء اسبات کی شہادت دیتے چلے آئے ہیں اور طرز بیان اسکا ظاہر کر رہا ہے کہ ان باتوں کا کبھی اختتام نہ ہوگا۔ (۲) اور اسکی نظم میں فیاضی اور کثرت اسطرح کی پائی جاتی ہے جو ظاہر بینوں کی نظروں میں بالکل بے فائدہ اور فضول معلوم ہوتی ہے۔ ایک ایک حکم کو اتنی اتنی مرتبہ تکرار سے بیان کیا گیا ہے کہ سمجھانے کیلئے اس تکرار کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے (۳) اور اسکی نظم بے قاعدہ اور اجزا کی ترتیب ایسی بے سر و پا ہے کہ انسانی طبیعت اس ڈھنگ کو اپنی تصنیف میں کبھی پسند و اختیار نہیں کر سکتی۔ نہ اس میں باب اور فصول کی تقسیم ہے نہ مضامین کی مناسبت کا لحاظ ہے۔ نہ خلط مبحث سے احتراز ہے۔ کسی نبی کا قصہ ہے تو وہیں دوزخ بہشت کا ذکر آگیا ہے اسکے ساتھ ہی براہین وجود باری بیان ہوتے گئے ہیں۔ دنیا میں جو قدرتاً پایا گیا غرض کہ اسکی ترتیب مضامین اسمیں نہیں پائی جاتی۔ (۴) اور اس کتاب کے مضامین ایسے نہیں ہیں کہ انکو کسی خاص زمانہ و خصوص حالات کے ساتھ ایسی خصوصیت ہو کہ اس زمانہ کے بعد اور ان حالات کے بدلنے پر یہ کتاب بے فائدہ اور بیکار ہو جائے۔ بلکہ اسکی تعلیم ایسی ہے کہ ہر ایک زمانہ ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک کے ساتھ یکساں

مناسبت رکھتی ہے۔ وہ ۔ اور نیز یہ کہ اب ای روح بھی ہے جیسے اپنے وجود کے قائم رکھنے کی قوت اسمیں موجود ہے ہر ایک تغیر حالت کے ساتھ موافقت کرلیتی ہے اور انسان کی ہر ایک حالت میں ایک شفیق ہادی اور تسلی بخش ہمدم ہوتی ہے۔

یہ پانچویں صفت ہے مصنوعات انسانی کا بے جان اور مخلوقات الہی کا ذی روح ہونا زیادہ غور کے قابل ہے۔ جبتک یہ بات سمجھ میں نہ آئے کہ روح یا قوت کیا شے ہے تب تک قرآن شریف کا ذی روح ہونا بھی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ اب دیکھو کہ ہر ایک شخص کو اپنے شخصی مشاہدات اور دوسرے زمانہ حال کے اور زمانہ ماضی کے بنی نوع کی شہادتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس جہان کے موالید ثلاثہ اور اجرام سماوی کے ہر ایک فرد کو قدرت سے ایک طاقت عطا کیگئی ہے جس کی رو سے ہر شخص کی بقا کا انتظام ایک مدت مقررہ تک اور انکے اجزائے نسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ بقائے شخص اور اجزائے نسل ہر ایک نوع میں پایا جائے۔ بلکہ جن انواع کی پیدائش کی اغراض کو انکے اشخاص کی قصر عمری لازم ہے انہیں اجزائے نسل کا قاعدہ رکھا گیا ہے۔ تاکہ اشخاص کی قصر عمری کے باعث نوع کا عدم نہ ہو جائے لیکن جن انواع کی اغراض اصلی نسل کا قاعدہ لازم نہیں بلکہ انکے اشخاص کی عمر ایسی طویل ہوتی ہے کہ انسان انکے شباب اور بڑھاپے کے ایام کی مدت کہ کبتک ہے معلوم نہیں کرسکتا۔ موالید ثلاثہ قسم اول یعنی اجسام ہیں۔ اور زمین آفتاب ماہتاب و دیگر اجرام سماوی قسم دوم ہیں۔ ان تمام میں ایسی قوتیں موجود رکھی گئی ہیں جو انکی عمر مقررہ تک انکے بقاء شخص میں مدد دیتی رہتی ہیں۔ مثلاً حیوانات میں قوائے غاذیہ نامیہ و دافعہ جاذبہ ماسکہ ہضم [illegible] وغیرہ اسی مطلب کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اگر گرم ملک کے حیوان کو سرد ملک میں لیجاؤ تو وہ چند نسلوں کے باعث انکے بدن پر زیادہ بال پیدا ہو جاتے ہیں تاکہ [illegible] سردی سے [illegible] اور اگر سرد ملک کے حیوان کو گرم ملک میں لے آؤ تو انکے جسم کے بال جو زیادہ تھے کم ہو جاتے ہیں۔ اسیطرح سے سرد ملک کے رہنے والوں کے جسم پر چربی زیادہ ہوتی ہے اور گرم ملک والوں کے جلد کے نیچے چربی کم ہوتی ہے سرد موسم میں [illegible] زیادہ ہو کر جسم کی اندرونی حرارت کو محفوظ رکھتی ہیں اور

کرتی ہیں مطابق اس کے وارث جسم کی اپنی صحت نہیں رہنے پاتی۔ علمی اقتباس علم
حیوانات نباتات جمادات اسباب وغیرہ کے مطالعہ سے بے حد حکمتیں بقا سے شخص کی جیر
کی روح یا قوتوں کے ذریعے سے ظاہر ہوتی ہوئی مشاہدہ کی جاتی ہیں اور ثابت ہوتی ہیں۔
لیکن یہ صفات انسانی مصنوعات میں کبھی نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ وجود میں آتے ہی
رفتہ رفتہ فنا کے آثار شروع ہو جاتے ہیں۔ اور خارجی اصلاح و ترمیم کے ذریعے سے کچھ عرصہ
کارآمد ہو کر بالکل بے کار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے جب ہم قرآن شریف کا مقابلہ دوسری
تصنیفات انسانی کے ساتھ کرتے ہیں تو ان میں ذی روح اور غیر ذی روح ہونے کا تفاوت
پاتے ہیں۔ انسانی تصنیفات کروڑہا وجود میں آئیں اور فنا ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں اور ہوتی
جائیں گی۔ اور اگر شاذ و نادر کسی پرانی کتاب کا وجود جیسے ہومر یونانی کی ایلیڈ وغیرہ پایا
بھی جاتا ہے تو وہ صرف ایسی صورت میں پایا جاتا ہے جیسے مصر کی مومیائی کی ہوئی نعشیں
کہیں کہیں مل جاتی ہیں۔ یا عجائب خانوں میں پرانے قسم کے ہتھیار یا حیوانات کی ہڈیاں مختلف
اغراض کے لئے احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھی ہیں۔ مگر جس غرض کے لئے وہ اشیاء بنائی
گئی تھیں اب وہ کام ہرگز نہیں دیتیں۔ اور ان میں کوئی زندگی کا نشان باقی نہیں ہے۔
مگر قرآن شریف کا حال اس کے برخلاف ہے۔ وہ جب سے وجود میں آیا ہے تب سے ہمیشہ اپنی
روح کے باعث اپنی حفاظت کرتا رہا ہے۔ اگرچہ بہت لوگوں نے اسکو فنا کرنا چاہا اور چاہتے
ہیں مگر یہ اپنی ذاتی قوت سے ان کا مقابلہ کرتا رہا اور کرتا ہے۔ تمام دنیا کی مختلف آب و ہوا
میں مختلف سرزمینوں میں مختلف قوموں میں اپنی قوت حیات ثابت کرتا چلا جاتا ہے اور اس کا
وجود سے جو ہدایت انسانی مقصود ہے ہر حال میں ظاہر ہو رہی ہے۔ تہذیب اخلاق تدبیر
منزل سیاست مدن کے اصول سب کو سکھلاتا ہے۔ علوم طبیعہ اور الٰہیہ کے سیکھنے کی
تحریک دلوں میں ڈال رہا ہے حقوق العباد اور حقوق معبود کے ادا کرنے کے قواعد بتلا رہا ہے
جس حالت میں انسان خواہ وحشی ہو یا مہذب تنہائی میں ہو یا جماعت میں۔ آسودگی میں ہو یا افلاس
میں مصیبت میں ہو یا عیش میں جب رہنمائی کا اس سے سوال کرتا ہے وہ مناسب حالات کے جواب دیکر
اس کا اطمینان کرتا ہے اپنے خیر خواہوں اور فرمانبرداروں کو طوعاً اور بدخواہوں اور سرکشوں

کو جبراً اپنی طرف بلا رہا ہے۔ اگر یہ کہو کہ توریت انجیل وید وغیرہ بھی تو اپنے اپنے متبعین
میں آجتک اسیطرح سے زندہ اور قائم ہیں تو ہم صاف کہدیگا انکار کرونگا کہ جسطرح سے زندہ کوئی
کتاب نہیں ہے۔ اگرچہ ان میں بھی خدا کی کلام کسیقدر ہونیکے سبب بہ نسبت دوسرے عالم
تصنیفات انسانی کے انکا مقام زیادہ رہا ہے۔ لیکن عملی طور پر دیکھو تو انکو قرآن سے کچھ بھی
نسبت نہیں ہے۔ انکے متبعین اعتقاد کے باعث سے انکی حفاظت کرتے ہوئے چلے آئے
ہیں لیکن بے جان شے کی حفاظت کہاں تک ہوسکتی ہے۔ انجیل ہی کو دیکھو جس
لکھا ہے کہ گنہگاروں کو معاف کرو۔ انتقام مت لو۔ کل کا فکر آج مت کرو۔ اگر آج کوئی
فرقہ عیسائی قوم کا ان احکام پر عمل کرے تو ان کا وجود جہاں میں رہ سکتا ہے ہرگز نہیں۔
عیسائی گورنمنٹوں کے اصول سیاست مدن انجیل کو چھوڑ کر قرآن کو تتبع کر رہے ہیں۔ توریت
اور وید پر تو کچھ عمل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اور اگر کچھ ہوتا ہے تو انہیں قواعد کا جو ان کتابوں میں
اور قرآن میں مشترک ہیں یا کچھ رسمی طریق عبادت وغیرہ کے رہ گئے ہیں مگر انکا بھی روز بروز
تنزل نظر آتا ہے۔ اگرچہ ہندو مذہب والوں کی تعداد بھی ظاہر میں بہت ہے لیکن اصل میں
دیکھو تو وید کی تعلیم کا بالکل تنزل نظر آتا ہے۔ توحید کا مسئلہ جسپر لاکھوں ہندو برہمو آریا سکھ فدا
ہو رہے ہیں۔ کہاں سے سیکھا گیا کوئی شخص یہہ دعوی کر سکتا ہے کہ قرآن کے سوا کسی
دوسری کتاب نے انکو توحید سکھلائی ہے اور شرک سے نفرت دلائی ہے۔ حقیقت میں قرآن
نے انکے دلوں پر اثر کیا ہے اور کرتا جاتا ہے گو وہ لوگ جب قومی کے لحاظ سے اسبات کا
اقرار نہ کریں۔ لوتھر جرمنی جو پروٹسٹنٹ مذہب کا بڑا اور پہلا پیشوا ہوا ہے اسکے مخالف عیسائی
بھی اسکو یہی طعن کرتے تھے کہ یہہ شخص مسلمانوں کی پیروی کرتا ہے۔

غرض قرآن ہی آج ایسی کتاب ذی روح اس زمانے میں موجود ہے جو کبھی انگلستان
کے اصلی باشندوں پر اپنی طاقت ظاہر کرتی ہے کبھی امریکہ والوں کے دلوں کو اپنی طرف پھیرتی
کبھی افریقہ میں اپنی حیات کا ثبوت دیتی ہے۔ کبھی چینیوں کو اپنی طرف رجوع کرتی ہے۔ سیاحت
ناموں اور تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل دنیا میں صرف دو مذہب ترقی کر رہے
ہیں۔ اسلام اور عیسائیت۔ لیکن ایک بڑے سیاح انگلستان کے پادری کا قول مسٹر کوئیلم

اپنی کتاب تبلیغات اسلام میں نقل کرتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ بنسبت عیسائی مذہب کے اسلام زیادہ پھیلتا جاتا ہے اور جو شخص اسلام کو قبول کرتا ہے وہ اوسکو پھر چھوڑتا نہیں چاہتا۔ گمنے کہ بعض اکثر دفعہ لوگ مسلمان ہوجاتے ہیں درحقیقت میں عیسائی مذہب کی تعلیم وتربیت لوگونکے دلونکو اسلام قبول کرنیکے لیئے تیار کرتی جاتی ہے۔ اب غور کرو کہ عیسائی قوم جو دنیا کی ثروت اور قوت کے لحاظ سے تمام اقوام سے اعلی درجہ پر ہے اور اپنے مذہب کی اشاعت پر نہایت سرگرم ہے وہ بھی اشاعت میں اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی تو دوسرا کونسا مذہب اسکا دعوے کرسکتا ہے۔ قرآن کے اسطرح کے غلبہ کیوجہ اور کوئی سمجھ میں نہیں آتی کہ جبر قادر مطلق نے انسان کے دلونکو بنایا ہے اوسی علیم وحکیم نے فطرت انسانی کے مطابق یہ ہادی کلام بھی بھیجا ہے۔ اس طبعی مناسبت کیوجہ سے جیسا اثر اس کلام کا دلوں پر ہوتا ہے ایسا کبھی دوسری کلام کا نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ اور نتیجہ اس تقریر کا یہ ہے کہ قرآن ذی روح کلام ہے اور کوئی کلام ذی روح جہان میں موجود نہیں ہے اور نہ انسانی کلام ذی روح ہوسکتا ہے۔

پہلا مقدمہ دلیل کا یہ تھا کہ قرآن کی مانند کلام انسان نہیں بنا سکتا جو مختصر طور پر نقلا اور عقلا ثابت کردیا گیا ہے۔ اب دوسرا مقدمہ ثابت کرنا باقی رہا یعنے جسطرح کی کلام انسان نہ بنا سکے وہ خدا کی کلام ہے۔

اسکے ثبوت میں بھی کچھ زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ مخلوقات میں سوا انسان کے ہم کسی مخلوق کو یقینا متکلم نہیں جانتے۔ اعتقادی طور پر فرشتہ اور جنات کو بھی متکلم مخلوق خیال کیا جاتا ہے لیکن فرشتے اعتقادا خالق ومخلوق کے درمیان وسائط کیطرح مانے جاتے ہیں۔ اونکی کوئی مخلوق یا مصنوع مستقل تسلیم نہیں کیجاتی۔ باقی رہے جنات اگر اونکو انسان کیطرح سے ایک علیحدہ مخلوق مکلف بالشرائع اور متکلم اور فاعل تسلیم بھی کر لیا جاوے تو انکی مصنوعات اور انکی کلام بھی اونکے ابدان کیطرح سے ہم سے مخفی رہتی ہوں گے۔ اسواسطے ہم اونکی مصنوعات کو پہچان نہیں سکتے اور اسی لئے معقول طریق سے کسی فعل کو اونکیطرف منسوب نہیں کرسکتے ہیں۔ اسواسطے جو موجود شے انسان کی طاقت سے باہر

معلوم ہوتی ہے وہ صرف خدا کی طرف منسوب کیجاتی ہے اور جس طریق معقول سے
جب یہ بات قرار پا گئی تو دلیل کا دوسرا مقدمہ بھی ثابت ہوگیا یعنے صحیح کی کلام انسان
یہ بات کہ وہ خدا کی کلام ہے۔

اب ان دونوں مقدموں کے ثابت ہو چکنے کے بعد معقول اور منطقی طریق سے یہ نتیجہ لازم
ہوتا ہے کہ ایسے کلام یعنے قرآن خدا کی کلام ہے" اور چونکہ شروع میں یہ بات ثابت کر دیگئی
ہے کہ جو قرآن آج ہم مسلمانوں کے پاس موجود ہے بعینہ وہی کتاب ہے جو رسول عربی کے
زمانے میں مکمل ہو چکی تھی تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ بانی اسلام کی کتاب خدا کا کلام ہے اور
یہی ہمارا دعوی ہے۔

اگر کوئی صاحب اس دلیل پر نقض وارد کرنا چاہیں تو انکو چاہیے کہ یا تو اسبات کو
ثابت کردیں کہ جو علامات وخواص مصنوعی اور قدرتی اشیاء کے بیان کئے گئے ہیں وہ صحیح
نہیں ہیں اور یہ بات ثابت کریں کہ قدرتی اشیاء کی علامات وخواص جو بیان کئے
گئے ہیں قرآن میں نہیں پائے جاتے۔ اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو اور ہیر بحث پوری ہوچکی۔
اتنا نہ ماننا انکے اختیار ہے۔

دو تمثیلیں اسی قسم کی اور بھی ثبوت مدعا کی سند میں پیش کیجاتی ہیں جنپر غور کرنا فائدے
سے خالی نہیں۔ علاوہ ان صفات وخواص کے جو قرآن اور کلام انسان میں تمیز کرتے ہیں
لکھے گئے ہیں ایک اور بڑا نشان زیادہ عام فہم پایا جاتا ہے وہ یہہ ہے کہ ظاہر
اور سرسری نظر سے مجموعی اور اجمالی طور پر دیکھنے سے دونوں کلاموں میں بڑا تفاوت معلوم
ہوتا ہے۔ کسی عربی مصنف کے کلام کو جب قرآن کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو بجز اس امر کے کہ
دونوں عربی زبان میں ہیں اور کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ یہہ امر دعوے سے کہا جا سکتا ہے
کہ تین چار سطریں لیکر جب خدا کو دیکھا جاوے تو انکے ساتھ کسی مصنف کا کلام ملسکے تو ہرگز
نہ ملے گا۔ خود رسول عربی جنکی زبان سے قرآن لکھا گیا ہے۔ انکی ہزارہا حدیثیں
اور روایتیں چھوٹی اور بڑی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور جس قسم کے مضامین مذہبی
قرآن میں تعلیم دئیے گئے ہیں اسیطرح کے مضامین اون

حدیثوں میں پائے جاتے ہیں زبان بھی دونوں کی بالکل عرب کے ایک خاص حصہ حجاز کی ہے۔ لیکن حدیث نبوی اور قرآن کی آیات کی عبارت میں اور ان کی نظم میں اتنا بڑا تفاوت ہے کوئی عربی دان ان کا مقابلہ کر کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دونوں عبارتیں ایک شخص کی ہو سکتی ہیں۔ انسان کا طرز کلام اور طرز تحریر کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا غور اور مقابلہ کرنے سے پہچانا جاتا ہے مگر سارے قرآن کی ایک سطر بھی نہیں پائی جاتی جس کے مشابہ کسی حدیث کی عبارت ہو اگر یہ منصف مخالف کی نظر میں قرآن کو کلام الٰہی ثابت کرنے کے واسطے قطعی دلیل معلوم نہ ہو تو بھی اس کو کتنی بڑی حیرانی میں ڈالنے والا ہے کہ ایک کتاب عربی میں اس طرح کی پائی جاتی ہے کہ اس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی کسی عربی مصنف کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اگر وہ کلام بے معنی بے فائدہ اور کلام کی فصاحت اور بلاغت کی خوبیوں سے معرا ہوتا تو اس کو کسی پاگل یا کسی ناواقف زبان کا کلام خیال کر لیا جاتا مگر باوجود انوکھے طرز کے فائدوں اور خوبیوں میں ہر ایک دوسری کلام سے بڑھ کر ہے کیا یہ صفات کسی انسانی کلام میں پائی جا سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں

علوم طبعیہ کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر ظاہر ہے کہ قدرتی موجودات میں جس قدر غور اور تامل کئے جاؤ اسی قدر ان کے حالات کا علم منکشف ہوتا چلا جاتا ہے اور بہت مسائل طبعیہ ایسے بھی معلوم ہوتے ہیں کہ آج تک ان کا علم باوجود جد و جہد کے کسی کو حاصل نہیں ہوا مگر امید ہوتی ہے کہ آئندہ کو کسی زمانہ میں حاصل ہو جائے* اور بہت مسائل ایسے بھی معلوم ہوتے ہیں کہ ان کو ناقابل انکشاف خیال کیا جاتا ہے اور اسی لیے بہت حکما فلاسفۂ اول ان کی جست و جو میں عقل کے گھوڑے بہت دوڑاتے مگر آخر کو تھک کر مجبور ہو گئے اور یہ

* نوٹ - مثلاً جسم حیوانات میں جو خون سیال ہے زندہ جسم میں سیال اور دائر رہتا ہے مگر رگوں سے نکلتے ہی جم جاتا ہے۔ اس کی ٹھیک وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی یا حیوانات کے معدے سے جو ایک تیزاب پیدا ہوتا ہے وہ گوشت کو حل کر دیتا ہے بلکہ زندہ [illegible] بھی کسی حیوان کے معدے میں رکھ دیا جائے تو حل ہو جاتا ہے مگر وہ تیزاب جس معدے سے پیدا ہوتا ہے تا دم حیات اس پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ اسی طرح نباتات اور حیوانات کے بعض اعضا کا کچھ فائدہ سمجھ میں نہیں آتا۔ مصنف

خیال کر لیا کہ ان باتوں کا سمجھنا انسانی عقل سے باہر ہے مثلاً یہ کوئی نہیں جانتا کہ قوت اتصالی کیا شے ہے اور کشش اجسام پر کس طرح اثر کرتی ہے۔ علت معلول پر کس طرح اثر کرتی ہے ابتداء کسی نوع کی کس طرح سے ہوتی ہے۔

اسی طرح سے خدا جزو یا جزئی اور ہیولا کے ثبوت و عدم ثبوت کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ اسی طرح کی بہت سی باتیں ہیں کہ انسان کی عقل اُن پر کام نہیں کرتی۔ قرآن شریف میں بھی ایسی صفات پائی جاتی ہیں یعنی اس سے بہت مسائل سمجھے جاتے ہیں بہت سے دقائق سمجھ میں آتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اُن میں بہت باتیں ایسی ہیں کہ وہ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آئیں جیسے جنات کی حقیقت، حروف مقطعات کی غرض وغیرہ وغیرہ اور بہت باتیں اُن میں ایسی بھی ہیں جو فہم انسان سے بالکل باہر ہیں جیسے روح کی حقیقت معاد کی کیفیت حشر اجساد کی ماہیت وغیرہ۔

یہاں تک تو ایک سہل منطقی اور معقول دلیل ہے جس کو ادنیٰ فلاسفر اور علوم طبیعیات کا مطالعہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے بیان کی گئی ہے اور ظاہر بینوں کے واسطے بھی جو ذرا انصاف سے غور کریں یہ دلیل برہان قاطع معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس میں صرف ظاہری علامات سے مجہول کے سراغ لگانے کا جو عام عقلی قاعدہ ہے استعمال کیا گیا ہے۔ اگر اس کے باطنی دلائل پر غور کیا جائے تو اس سے صدہا درجہ زیادہ اطمینان دینے والے دلائل معلوم ہو سکتے ہیں لیکن جب تک انسان تعصب اور بے پرواہی سے علیحدہ ہو کر مثل حکیم کی طرح سے انصاف کے ساتھ اس میں غور نہ کریں وہ اسرار اس پر منکشف نہیں ہو سکتے۔ تاہم اتمام حجت کی غرض سے کسی قدر باطنی دلائل کا بیان کر دینا بھی اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تمام مذہب کا اصل الاصول خدا پر اور اس کی صفات پر ایمان لانا اور اس کی عبادت کرنا کہا گیا ہے یعنی اور نیک کرداری اختیار کرنا ہے اور انسان اپنی خلقت میں ایسا بنایا گیا ہے کہ ان تمام باتوں کا خود کا پیاسا معلوم ہوتا ہے اس لئے تو تمام جہان میں ہر ایک انسان کسی نہ کسی مذہب کا پابند ہوتا ہے۔ یہی خدا کی تلاش ہیں کوئی اجرام فلکی کو کوئی

اجرام علوی کو کوئی عالم ارواح کے فرضی اشخاص کو معبود بنا کر اس پر ایمان لے آتا ہے اس کی عبادت کسی نہ کسی صورت میں شروع کر دیتا ہے اور اس کی ناراضمندی سے پرہیز کرنے اور اس کی مرضی پر چلنے کی کوشش کرتا ہے اگر انسانی عقل ان امور کے صداقت کرنے کے لئے کافی ہوتی تو جس طرح سے تمام مسائل طبیعیہ میں تمام مہذب قوموں میں اتفاق رائے کرتی چلی جاتی ہیں ان میں بھی اسی طرح سے اتفاق رائے ہوتا جاتا۔ لیکن جب یہ بات ظہور میں نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ انسانی عقل ان کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ مگر چونکہ حاجت ہر ایک انسانی فطرت میں ڈالی گئی ہے اس کے پورا کرنے کے لیے قادر مطلق نے کوئی نہ کوئی سبیل بھی ضرور مقرر کی ہے چنانچہ صحیفہ فطرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی ہر حاجت کے پورا کرنے کے لئے دو قاعدے مقرر ہیں ایک تو قدرت سے کوئی سامان اس کے لیے مہیا ہوتا ہے اور دوسرے اس کی عقل اس کو مدد دیتی ہے ان دو کے سوا اور کوئی صورت اس کی حاجت روائی کی معلوم نہیں ہوتی اور جب معلوم ہو گیا کہ مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لیے اس کی عقل کافی نہیں ہے تو لازم آیا کہ قدرتی طور پر اس معاملہ میں اس کی حاجت روائی کی جانی چاہئے اور بشہادت تمام مذاہب قدرتی مدد اس تعلیم کے لئے سوا الہام الٰہی کے اور کوئی نہیں ہے اسی الہام کا فیض کسی کو بلا واسطہ اور کسی کو بالواسطہ ہوتا ہے۔

جب یہ بات تسلیم کی گئی کہ مذہب کا علم بغیر الہام الٰہی کے مدد کے کسی کو حاصل نہیں ہوتا تو جو مذہب اکمل اور اتم طریق سے چاروں امور مذہبی کو جو اوپر بیان ہوئے ہیں سکھلاتا ہے تو وہ مذہب خالص خدا کی طرف سے الہام کے ذریعے سے آیا ہوا یقین کر لینا چاہئے۔

اب ہم چند نظیریں قرآن کی تعلیم کی پیش کر کے اس بات کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا میں قرآن سے بہتر تعلیم دینے والی کوئی کتاب جہان میں نہیں ہے اور اسی لیے قرآن خدا کی خالص الہامی کتاب ہے۔ پہلا مسئلہ مذہب کا خدا کی ذات اور صفات کے وجود پر ایمان لانا ہے۔ قرآن اس باب میں فرماتا ہے کہ خدا موجود ہے واحد ہے قادر مطلق ہے۔ عالم الغیب ہے۔ ازلی ہے۔ ابدی ہے۔ رحیم ہے۔ عادل ہے اور اس کے مانند کوئی شے نہیں۔

اگر یہ تمام باتیں صرف الہام سے کسی کے دل پر القا کر دی جائیں تو ملہم شخص تو شاید مجبوراً مانتا مگر دوسرے بنی نوع کی ہدایت کے لیے یہ طریق کافی نہ ہوتا کیوں کہ انسان فطرتاً ایسا بنایا گیا ہے کہ جو بات دوسروں سے سنتا ہے اس کا ثبوت اور دلیل بھی چاہتا ہے گو بعض اشخاص ایمان اور اعتقاد کے ایسے پختہ ہوتے ہیں کہ اپنے مقتدا کے قول کو بلا دلیل بھی تسلیم کر لیتے ہیں لیکن جب کسی شخص کی بات ماننے کی دلیل نہ ملے تب تک اس کو مقتدا بھی ہر ایک شخص نہیں مان سکتا پھر اس کے قول کو کس طرح سے مانے بلکہ عام قاعدہ یہ ہے کہ جس شخص کی راست گوئی کے بہت نظائر یا دلائل مل جائیں تب اس پر ایسا اعتقاد ہو جاتا ہے کہ آئندہ کو اس کا قول بلا دلیل بھی ماننا پڑتا ہے۔ قرآن نے اس لئے اپنے دعووں کو بلا دلیل بیان نہیں کیا اور دلائل بھی ایسے بیان کئے۔ کہ جن کو انسان اپنی فطرت اور طبیعت سے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

اگر کسی کو یہاں یہ شک پیدا ہو کہ جب مذہبی امور سمجھنے کے لیے دلائل بھی موجود تھے جن کو آدمی سمجھ سکتا ہے پھر الہام کی کیا ضرورت رہی تو ذرہ غور کرنے سے یہ شک رفع ہو جاتا ہے کیوں کہ جب ہم بہت سے محسوسات کے وجود و خواص سے ناواقف ہوتے ہیں لیکن جب کسی طرح ایک مرتبہ اس کا پتہ لگ جاتا ہے تب اس کے دلائل ہم کو ملتے چلے جاتے ہیں مگر پہلے سے وہ دلائل رہنمائی کے لیے کارآمد نہیں ہوتے۔ مثلاً جسم حیوان کا دوران خون جس کے سمجھنے پر بہت بیماریوں کی تشخیص اور علاج موقوف تھا نہ بقراط کو معلوم ہوا نہ افلاطون ارسطون جالینوس وغیرہ کو مگر جب ہاروی صاحب نے اس امر کو معلوم کیا تو اس کے دلائل ایسے واضح خود بخود سمجھ میں آنے لگے کہ اب حیرانی ہوتی ہے کہ پہلے سے بڑے بڑے طبیبوں کو اس کی واقفی کیوں نہ ہوئی عام فصد کرنے والے بھی اس حقیقت کو جان سکتے تھے مگر طبیعیات کی معلومات جب حاصل ہوں کسی اتفاق سے یا عقل کے ذریعے سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ البتہ مذہبی حقایق کا سچا علم بغیر الہام کی مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

غرض خدا کی ذات و صفات کی تفتیش جو انسان کی فطرت میں پیدا ہوئی تھی الہام کے

ذریعے سے اُس کی تعلیم کچھ نہ کچھ تو مدت سے ہوتی رہی ہے۔ اور حکمائے فلسفی جہانتک اُن سے ہوسکا اُن الہامی صداقتوں کے ثابت کرنے میں سعی کوششیں کی ہیں بہت دلایل معلوم کیے اور لوگوں کو بتلائے لیکن آج اُن تمام الہامی تعلیموں سے اس کی تعلیم اعلےٰ ورجہ کی ہے اور تمام حکماء کے دلایل ہیں جن کا ضعیف اور غیر صحیح دلایل ہیں اُن کا قرآن میں بالکل کہیں تذکرہ نہیں مگر جو صحیح یا کسی قدر ناقص ہیں ان کو واضح اور کامل طور پر بیان کیا ہے اور بہت کچھ اُن سے بڑھ کر سکھلایا ہے۔

اوّل یہاں پر چند آیات کا ترجمہ جو ثبوت وجود باری اور اُس کی صفات سے متعلق ہے لکھا جاتا ہے بعد اس کے طریق استدلال بیان کیا جاوے گا۔

"اور معبود تمہارا ایک معبود ہے کوئی معبود نہیں ہے بجز اُس مہربان بخشنے والے کے بے شک آسمان اور زمین کی پیدایش میں اور رات دن کے اختلاف میں اور کشتی میں جو لے جاتی ہے دریا میں لوگوں کے فائدے کے سامان اور اس پانی میں جو اتارتا ہے اور آسمان سے جس سے سرسبز کرتا ہے زمین کو اُس کے خشک ہو جانے کے بعد اور پیدا کئے اُس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے چلانے میں اور ابر میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہوتا ہے نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے اور بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہیں جو بنا لیتے ہیں خدا کے سوا شریک اور محبت رکھتے ہیں اُن سے جیسے خدا سے محبت رکھنی چاہیے اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت خدا کی رکھتے ہیں۔ سورہ بقر۔

"اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا ہے اجرام علوی کو بغیر ایسے ستونوں کے جن کو تم دیکھتے ہو پھر قایم ہوا وہ عرش پر اور مسخر کیا اُس نے آفتاب کو اور ماہتاب کو ہر ایک اُن میں سے ایک مدت معین تک جاری رہے گا تدبیر کرتا ہے وہ امر کی ظاہر کرتا ہے نشانیاں تاکہ تم خدا سے ملنے پر یقین کرو۔ اور خدا وہ ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر ایک پھل کی اُس میں دو قسمیں بنائیں رات دن کو ڈھک لیتی ہے بے شک اس میں نشانیاں ہیں فکر کرنے والے لوگوں کے لیے اور زمین میں قطعات

ہیں پاس پاس اور باغ ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجوروں کے درخت ملے ہوئے اور اکیلے اکیلے جو ایک ہی پانی سے سیراب کیے جاتے ہیں اور ان میں سے ہم بعض کو بعض پر ذائقہ میں فضیلت دیتے ہیں اس میں بے شک نشانیاں ہیں دانش مندوں کے لیے۔ سورہ رعد۔

وہ نکالتا ہے زندہ کو مردے سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے کہ زندہ کرتا ہے وہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور اسی طرح سے تم بھی نکالے جاؤ گے اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ بات کہ پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر تم ہو گئے ناگہاں انسان چلتے پھرتے اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ پیدا کیے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑے تاکہ آرام پاؤ تم ان کے ساتھ اور پیدا کی تم میں باہم دوستی اور مہربانی بے شک اس میں نشانیاں ہیں فکر کرنے والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں میں سے ہے پیدائش آسمان اور زمین کی اور اختلاف تمہاری زبانوں اور رنگوں کا بے شک اس میں نشانیاں ہیں عالموں کے لیے اور اس کی نشانیوں میں سے ہے سونا تمہارا رات اور دن کا اور روزی تلاش کرنی تمہاری اس کے فضل سے بے شک اس میں نشانیاں ہیں سننے والے لوگوں کے لیے اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھلاتا ہے تم کو بجلی خوف اور امید کے لیے اور اتارتا ہے اوپر سے پانی پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے اور اس کی نشانیوں میں سے ہے قائم رہنا آسمان اور زمین کا اس کے حکم سے پھر جس وقت بلا دے گا تم کو ایک بار زمین سے تم ناگہاں نکل آؤ گے اور اسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اس کے فرمان بردار ہیں اور وہ خدا ہی ہے جو پیدا کرتا ہے اول بار خلقت کو اور پھر پیدا کرے گا اس کو اور یہ کام اس پر بہت آسان ہے اور اس کی صفت بلند ہے آسمان اور زمین میں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔

سورہ روم۔

اور وہ خدا وہ ہے جس نے پیدا کی تمہاری سماعت۔ بینائی اور دل تم کم شکر کرتے ہو۔ اور وہ خدا وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے ہو کر جاؤ گے

اور وہ خدا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہی رات اور دن بدلتا ہے کیا تم نہیں
سمجھتے بلکہ کہا انہوں نے جیسے پہلوں نے کہا تھا۔ انہوں نے کہا جب ہم مر گئے اور مٹی اور
ہڈیاں ہو گئے کیا ہم اٹھائے جائیں گے؟ بیشک یہ وعدہ ہم کو دیا گیا اور ہمارے باپ دادوں
کو پہلے دیا گیا تھا۔ کچھ بھی نہیں یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے۔ کہو کس کی ہے زمین اور
جو کچھ اس میں ہے (بتاؤ) اگر تم کو معلوم ہو البتہ کہیں گے اللہ کی ہے تو کہو کہ پھر تم نصیحت نہیں
مانتے کہو کون ہے رب ساتوں آسمانوں کا اور بڑے عرش کا کہیں گے اللہ ہے۔ کہو پھر تم کیوں نہیں
ڈرتے۔ کہو کون ہے جس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی ہر شے کی اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس سے
کوئی پناہ نہیں دیا جاتا اگر تم جانتے ہو کہیں گے اللہ ہے۔ کہو پھر تم کس طرح دھوکا کھاتے ہو بلکہ ہم
ان کے پاس سچی بات لائے ہیں مگر وہ دروغ کہتے ہیں۔ نہ خدا نے کوئی اپنا بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے
ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر ایک معبود اپنی پیدائش کو الگ لے جاتا اور وہ ایک دوسرے
پر غلبہ کرتے۔ جاننے والا ہے وہ غائب اور ظاہر کا پس بالاتر ہے وہ شرک سے۔ سورہ مومنوں۔

آیا کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا اوپر سے پانی اور پھر اگائے اس سے باغ
رونق والے تم کو یہ طاقت نہیں کہ تم اگاؤ ان کے درختوں کو آیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ؟
بلکہ وہ ایک جماعت ہیں کج راہ چلتے ہیں آیا کس نے بنایا زمین کو قرارگاہ اور بنائیں اس میں
نہریں اور بنائے اس پر پہاڑ اور کیا دو سمندروں میں پردہ کیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ بلکہ بیشتر
ان میں نہیں سمجھتے آیا کون ہے جو قبول کرتا ہے بیقرار کی دعا کو جب وہ پکارتا ہے اس کو اور اس کی
سختی دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں خلیفہ بناتا ہے کیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ کم لوگ نصیحت
پاتے ہیں۔ آیا کون رہنمائی کرتا ہے تم کو جنگلوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں اور بھیجتا ہے ہوا
خوشخبری دینے کے لیے باران رحمت سے پہلے کیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ۔ اللہ بالاتر ہے
ان لوگوں کے شریک بنانے سے آیا کون اول پیدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ پیدا کرتا ہے اور کون
تم کو رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے کیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ لاؤ دلیل اپنی اگر تم سچے
ہو۔ سورہ نمل۔

"اور اس کے مملوک ہیں جو آسمان اور زمین میں ہیں اور جو اس کے نزدیک ہیں وہ سرکشی نہیں کرتے

ہیں اُس کی بندگی کرنے سے اور نہ تھکتے ہیں۔ پاکی بیان کرتے ہیں رات دن اور نہیں سستی کرتے۔ کیا اُنھوں نے مقرر کر لیے معبود زمین میں سے کہ وہ پیدا کریں گے اگر کئی معبود ہوتے زمین آسمان میں خدا کے سوا تو بے شک وہ دونوں تباہ ہو جاتے۔ پس پاک ہے اللہ عرش کا مالک اُن چیزوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ خدا نہیں پوچھا جائے گا اُن باتوں سے جو وہ کرتا ہے اور وہ لوگ سوال کیے جائیں گے۔ کیا اُنھوں نے بنائے ہیں خدا کے سوا معبود کہ لاؤ دلیل اپنی یہ ذکر اُن لوگوں کا ہے جو میرے ساتھ ہیں اور ذکر اُن لوگوں کا جو مجھ سے پہلے تھے۔ بلکہ اکثر اُن میں کے نہیں جانتے حق کو پس وہ مونھ پھیرتے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے کوئی رسول مگر یہی وحی کرتے تھے اُس کو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس میری ہی عبادت کرو اور کہا اُنھوں نے کہ خدا نے اپنا بیٹا بنایا ہے پاک ہے وہ بلکہ وہ لوگ بندے ہیں عزت والے بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

اللہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے اگلے پچھلے عمل ہیں اور شفاعت نہیں کرتے وہ کسی کی مگر اُس کی جس سے خدا راضی ہو اور وہ خود اُس کے خوف سے ڈرتے ہیں اور جو کوئی اُن میں سے کہے کہ بے شک میں معبود ہوں خدا کے سوا پس اُس کو سزا دیں گے ہم دوزخ میں اسی طرح سے ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ سورہ انبیاء۔

تھوڑی آیتیں اس قسم کی نمونہ کے طور پر یہاں لکھی گئی ہیں اس طرح کی اور بہت آیتیں قرآن میں موجود ہیں جن میں صحیفہ فطرت کے اوراق کھول کھول کر انسان کو دکھلایا ہے اور بتلایا ہے کہ نشانیاں ہیں ہماری ذات کے وجود کی اور صفات کی لیکن طرز بیان قرآن کا انسان کے بیان کے مشابہ نہیں ہے اس لیے اُس کو سُن کر ہر ایک شخص فوراً مطلب کو نہیں پہنچ سکتا جیسے کھانا یا کپڑا انسان کا بنایا ہوا بجنسہ انسان کے کارآمد ہو جاتا ہے ایسی قدرتی اشیا کم ہیں جو بغیر تامل اور عمل کے کارآمد ہو جائیں اگر انسانی طریق پر اُس کا بیان ہوتا تو وہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے کارآمد نہ ہوتا کیوں کہ انسانی طریق استدلال میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے مگر یہ بیان ایسا ہے کہ غور و تامل کرنے والوں کے لیے ہر ایک ملک اور ہر ایک

زمانہ میں ہدایت کر سکتا ہے اب چونکہ قرآن نے موجودات عالم پر غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے اور بتلایا ہے کہ ان میں غور کرنے سے خدا کے وجود اور صفات کی نشانیاں ملتی ہیں اس لئے اس موقع پر پہلے علوم طبیعیہ اور ریاضیہ کے چند مسایل بیان کرکے بتلایا جاے گا کہ موجودات عالم میں غور کرنے سے کس طرح خدا کی ذات و صفات پر یقین ہو سکتا ہے۔ اور قرآن شریف کے مسایل کس طرح سے یقین اور اطمینان دے سکتے ہیں لیکن اس سے ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ یہ دلایل عالمانہ غور و تامل کے بغیر فایدہ نہیں دیتے بلکہ ہر ایک درجے کے سمجھ والے کو فایدہ بخشتے ہیں صرف ان کو اپنی طاقت کے موافق غور کرنے کی ضرورت ہے مگر زمانہ حال میں تامل کرنے کا طریق جیسا کچھ بدل گیا ہے اور ترقی کر گیا ہے اس کے موافق امتحان کرنے سے بھی یہ دلایل نہایت درجہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ سما کا لفظ جس کا ترجمہ آسمان کیا جاتا ہے لغت میں اس کے معنی بلندی کے ہیں اور عرف میں یہ نیلے رنگ کا جو سایبان سا نظر آتا ہے اس کو بھی سما کہتے ہیں مگر قرآن میں یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ کہیں اس سے اجرام علوی مراد ہیں کہیں ابر کہیں صرف بلندی کہیں عرفی آسمان اور کہیں جو کچھ زمین سے اوپر ہے وہ سب مراد ہے علما اور حکما نے جو آسمان اور زمین میں غور کرکے علوم حاصل کئے ہیں ان سب کا لکھنا تو ممکن نہیں اور ان کے لکھنے کی یہاں ضرورت بھی نہیں بلکہ ان میں سے چند اصول اور مسایل بیان کئے جاتے ہیں تاکہ ظاہر ہو کہ یہ علوم قرآن کی دلایل کو کتنا زیادہ واضح اور حق ثابت کرتے ہیں

زمین آفتاب مہتاب اور بہت ستاروں اور ثوابت پر تو لوگ مدت سے غور کرتے چلے آئے ہیں۔ راتوں کے اختلاف موسموں کی تبدیلیاں بارش کسوف خسوف وغیرہ حالات بھی زمانہ قدیم سے ظاہر ہو گئے تھے ان تجربات کے قواعد و فواید بھی کسی قدر تو وحشی لوگوں کو بھی معلوم تھے کیونکہ ان میں کی بہت باتیں تو عام فہم اور مشاہدہ اور تجربہ سے بھی معلوم ہو سکتی تھیں لیکن زمانہ زیادہ گذرتا گیا پہلی معلومات کی تحقیق اور تصحیح اور جدید معلومات کی تحصیل ہوتی گئی یہاں تک کہ اب زمانہ حال کی معلومات کو زمانہ قدیم کی معلومات سے مقابلہ کیا جاوے تو زمین اور آسمان کا تفاوت معلوم ہوتا ہے آیندہ خدا جانے کہ انسانی علوم میں کیسے کچھ

انقلاب واقع ہوں گے۔
اس وقت علوم طبیعیہ اور ریاضیہ کی محققہ صداقتوں میں سے بڑی صداقت یہ ہے کہ کل اجسام میں کیا علوی کیا سفلی کشش کی طاقت ہے اور جس جسم کا مادہ زیادہ ہے اس کی طاقت کشش بھی بقدر زیادتی مادہ کے زیادہ ہے اور جتنا مادہ کم ہے اسی قدر طاقت کشش بھی کم ہے اور بعد اجسام پر بھی طاقت کشش کی صفت اور شدت منحصر ہے یعنے دو جسم جس قدر باہم زیادہ قریب ہوں گے اسی قدر طاقت کشش دونوں طرف سے زیادہ ہوگی اس کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک معین فاصلے پر دو جسموں میں جس قدر کشش ہوگی اگر فاصلہ کو دوچند کر دیا جائے تو کشش چوتھائی رہ جائے گی اور فاصلہ سہ چند کر دیا جائے تو کشش نواں حصہ رہ جائے گی۔ اور جب فاصلہ چار چند کر دیا جائے تو کشش سولھواں حصہ رہ جائے گی۔ غرض مربع کے حساب سے فاصلہ کے بڑھنے پر کشش گھٹتی جاتی ہے اور فاصلہ کے کم ہو جانے پر طاقت کشش کی بڑھ جاتی ہے یہ قاعدے محض قیاسی نہیں ہیں بلکہ مختلف طرح کے تجربوں سے درجہ یقین کو پہونچ گئے ہیں۔
دوسری خاصیت مادے کی قابلیت حرکت و سکون ہے یعنی اجسام کی ذات کو نہ حرکت لازم ہے نہ سکون اگر کوئی خارجی طاقت اس کو ایک دفعہ حرکت دیوے تو وہ ہمیشہ سیدھے خط مستقیم میں حرکت کرتا ہوا چلا جائے گا جب تک کوئی خارجی طاقت اس کو ساکن نہ کرے اور جب ساکن ہو جائے تو حرکت نہ کرے گا جب تک کوئی خارجی طاقت اس کو حرکت نہ دے۔ اس نظام شمسی کے عالم میں جس میں زمین آفتاب ماہتاب زحل عطارد مریخ زہرہ مشتری وغیرہ بہت سے سیارے شامل ہیں آفتاب سب سے بڑا ہے اس لیے اس کی کشش بھی سب سے زیادہ ہے اور باقی سیاروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اگرچہ باقی سیارے بھی اپنے اپنے جسم کے موافق آفتاب کو اپنی طرف کھینچتے ہیں لیکن آفتاب کے بہت بڑے ہونے کے سبب کشش میں غالب رہتا ہے۔ جب دو خاصیتیں جسم کی یعنی کشش اور قابلیت حرکت و سکون معلوم ہوئیں تو قیاس کیا گیا کہ آفتاب اور باقی سیاروں کو مناسب فاصلہ پر رکھ کر ان کے خالق نے ایک مرتبہ سیاروں کو حرکت دے دی اور چونکہ جسم کی یہ خاصیت ہے کہ جب ایک مرتبہ اس کو حرکت دے دی جائے تو بغیر ساکن کرنے کے ساکن نہیں ہوتا بلکہ خط مستقیم میں حرکت کرتا

ہوا چلا جاتا ہے اور اگر کوئی شے خط مستقیم میں حرکت کرنے سے رک کے تو دوری حرکت کرنے
لگ جاتا ہے جیسے ایک رسی کے سرے میں ایک پتھر کو باندھ کر ہاتھ میں لگا لیں اور پھر اس پتھر
کو زور سے حرکت دیں تو پتھر سیدھی حرکت کرنی چاہے گا۔ لیکن چونکہ وہ پتھر رسی میں بندھا
ہوا ہے اس کا دوسرا سرا ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے اس لیے سیدھا تو جا نہیں سکتا اس واسطے ہاتھ کے
گرد گول حرکت کرنے لگے گا۔ اگر اثنائے حرکت میں وہ پتھر کھل جائے یا رسی ٹوٹ جائے تو
پھر پتھر سیدھا حرکت کرتا ہوا چلا جائے گا اسی طرح جب سیاروں کو حرکت ہوئی تو انہوں نے سیدھا
جانا چاہا مگر آفتاب کی کشش نے ان کو وہ جانے نہ دیا۔ اس لیے آفتاب کے گرد حرکت کرنے لگے
یہاں تک تو قیاس تھا جس کے ثبوت کے واسطے بہت دلائل کی ضرورت تھی مگر تدریج
قدرت نے ایسے ثبوت بہم پہنچا دیے کہ اب اس قیاس کی صحت میں کوئی وجہ شک کرنے کی
باقی نہ رہی کیونکہ تحقیق سے ایک اور قاعدہ معلوم ہو گیا جس سے دو جسموں کی مقدار اور ان کا
باہمی فاصلہ معلوم ہو تو کشش جو ایک کو دوسرے کے گرد حرکت دیتی ہے اس کی مقدار معلوم
ہو جاتی ہے جس سے اس کی رفتار کی تیزی معلوم ہو جاتی ہے جب یہ قاعدہ معلوم ہوا تو مشاہدہ
اور امتحان کا بڑا سامان ہاتھ آ گیا اس کے سوا علم مثلث کی ترقی دوربین وغیرہ آلات کی ایجادوں
نے بڑے بڑے فاصلوں کا پیمائش کرنا اور سیاروں کی اقطار اور محیطوں کی پیمائش کرنے کا
طریق بتلا دیا تھا۔ جب اس قدر سامان امتحان کا مل گیا تو نئے نئے سیارے ان کی حرکتوں کی
سرعت ان کے دوروں کی مدت ان کے مداروں کی وسعت اور ان کے حجموں کی مقداریں
معلوم ہونے لگیں اور جس سیارے کا حجم اور بعد آفتاب سے معلوم ہوا تو قاعدے کے موافق
بغیر مدد آلات کے اس کی حرکت کی سرعت اور دورہ کی مدت بھی معلوم ہو گئی اور جب آلات
کے ذریعے سے اس بات کو معلوم کیا تو صحیح پایا اور ایسا ہی جب کسی سیارے کی سرعت حرکت
اور آفتاب سے بعد آلات کے ذریعے سے معلوم ہوا تو اس کا حجم حساب سے نکل آیا اور جب آلات
کے ذریعے سے امتحان کر کے دیکھا تو ٹھیک پایا اس طرح بہت مشاہدوں اور امتحانوں نے
ان قواعد طبیعیہ اور ریاضیہ کی صحت اور نظام شمسی کے قیاس کی صداقت یہاں تک ثابت کر دی
کہ اب کوئی گنجائش شک کرنے کی نہ رہی۔

اب یہ بات یقیناً ثابت ہو گئی کہ آفتاب ایک مرکز کے موافق درمیان میں واقع ہے اور زمین اور دوسرے بہت سیارے اُس کے گرد معین فاصلوں پر اور معین سرعت کے ساتھ دورہ کر رہے ہیں اور چاند زمین سے چھوٹا ہے اس لئے انہیں قواعد کے موافق جو اوپر مذکور ہوئے ہیں زمین کے گرد حرکت کرتا ہے اور کئی سیاروں کے گرد کئی کئی چاند حرکت کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض اُس ایک قوت جاذبہ سے تمام نظام شمسی کا انتظام ہے اور گو یہ نظام بھی کروڑوں میلوں کے فاصلے میں واقع ہوا ہے مگر ثوابت اتنے دور ہیں کہ ان کا کچھ حساب ابھی تک نہیں ہو سکا۔ گر پہلے معلومات کی مدد سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ شاید ہر ایک سیاروں میں کا بجائے خود ایک شمس ہے جس کے گرد بہت سیارے اسی طرح سے حرکت کرتے ہیں جس طرح سے ہمارے آفتاب کے گرد بہت سیارے حرکت کرتے ہیں مگر اُن کے سیارے زیادہ بعید ہونے کے باعث مشاہدہ نہیں کئے گئے اور نیز یہ بھی قیاس کیا گیا ہے کہ شاید ہمارا آفتاب معہ اپنے سیاروں کے کسی اور بہت بڑے آفتاب کے گرد حرکت کر رہا ہو اور ایسے ایسے اور بہت آفتاب معہ اپنے سیاروں و قمروں کے اس بڑے عالی بے حد فاصلہ والے آفتاب کے گرد حرکت کر رہے ہوں مگر یہ سب قیاس ہیں ابھی تک نظام شمسی سے بڑھکر پوری تحقیق کرنے کا سامان حاصل نہیں ہوا نظام شمسی خود اتنا بڑا ہے کہ ایک زمین کا مدار آفتاب کے گرد اتنا بڑا ہے کہ جس کا قطر ۱۹۰۰۰۰۰۰۰ میل کے قریب ہے اور کئی سیاروں کے مدار اس سے بہت بڑے بڑے ہیں۔ اس سے زیادہ جہاں تک نظر گئی ہے اُس خالق عالم کی قدرتوں کی بے پایانی نظر آتی ہے۔

اس ایک قوت کشش سے ہی اتنے بڑے عالم کا انتظام مجموعی صورت میں اس طرح کا کیا ہے جو مجملاً اوپر بیان ہوا اسی سے رات دن کا اختلاف موسموں کا تغیر وغیرہ ظہور میں آتا ہے۔

اب کچھ حالات زمین اور چاند اور سورج کے لکھے جاتے ہیں۔ زمین کے انتظام کا بہت بڑا حصہ آفتاب کی روشنی اور حرارت سے ظہور میں آرہا ہے اگر آفتاب کی روشنی اور حرارت زمین پر نہ پہنچتی تو تمام زمین ایک سخت پتھر کے موافق اور غایت درجے کی ٹھنڈی ہوتی

پانی تحت نجمد ہوتا ہوا بھی منجمد ہوتی نہ کوئی ذی روح یہاں پایا جاتا نہ کوئی درخت اُگتا نہ کوئی شے سیال ہوتی نہ ہوا قوام رکھتی - اسی آفتاب کی حرارت سے ہوا پانی موسم کا اعتدال وجود میں آیا نباتات اُگتی ہیں پرورش پاتی ہیں پختہ ہوتی ہیں حیوانات کا وجود زیادہ بلکہ بالکل نباتات پر منحصر ہے اور کئی طرح سے بلا واسطہ آفتاب کی حرارت اور روشنی پر بھی ہے ظہور میں آتے لاکھوں معدنیات جو انسان حیوان اور نباتات کے واسطے ضروری ہیں آفتاب کے اثرات بواسطہ یا بلا واسطہ پیدا ہوتے ہیں آفتاب کی حرارت حقیقت میں نباتات کی زندگی اور حیوانات کی حیات ہے کیونکہ وسیع تجربات سے اس قسم کے نتائج ثبوت کو پہونچ گئے ہیں جن میں سے کسی قدر یہاں بیان کئے جاتے ہیں -

انسان اور حیوانات جو ہوا میں سانس لیتے ہیں تو ان کے جسموں میں سے سانس کی راہ سے ایک زہریلا فضلہ ہوا کی شکل میں نکلتا ہے جس کو کاربانک ایسڈ گیس کہتے ہیں اور یہ فضلہ ایسا مضر ہوتا ہے کہ اگر اس کی کثرت ہوا میں ہو جائے تو کوئی جاندار زندہ نہ رہے لیکن نباتات اس سے غذا پاتے ہیں - اس فضلہ میں کوئلہ اور آکسیجن ہوا کیمیاوی ترکیب سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کی تحلیل یعنی ایک دوسرے سے جدا کرنا بہت مشکل ہے لیکن نباتات اپنے مساموں کی راہ سے اس کو جذب کر لیتے ہیں اور نباتات میں ایک مادہ سبز رنگ کا کلوروفیل ہوتا ہے وہ آفتاب کی شعاعوں کی مدد سے اس مرکب کو تحلیل کرتا ہے یعنی اس میں سے کوئلہ سے غذا اخذ کر کے نمو کرتا ہے اور آکسیجن ہوا کو خارج کر دیتا ہے تب وہ خالص ہوا پھر حیوانات کی سانس لینے میں کارآمد ہوتی ہے جہاں سے یہ کوئلہ کے ساتھ مل کر کاربونک ایسڈ بنکر ہوا میں منتشر ہوتی ہے اور درختوں میں جاکر آفتاب کی شعاع کی مدد سے تحلیل ہو کر کوئلہ وہاں چھوڑ آتی ہے اور خالص نکلکر پھر حیوانات کو فائدہ پہونچاتی ہے - اسی طرح رد و بدل ہوتا رہتا ہے - لیکن آفتاب کی حرارت کاربانک ایسڈ کے تحلیل کرنے کے وقت خود صرف ہو جاتی ہے یعنی نباتات کے اجزاء میں ذخیرہ ہوتی جاتی ہے یعنی وہ حرارت تحلیل کا عمل کرنے میں خود نباتات کے اجزاء میں مخفی ہوتی جاتی ہے نہ باہر نکلتی ہے نہ درخت کو گرم کرتی ہے یہ حرارت آفتاب کی جو نباتات کے جسم میں ذخیرہ ہوتی رہتی ہے بعد میں کئی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے مثلاً

درخت کو جب آگ میں جلاؤ تو جس قدر آفتاب کی حرارت اس میں ذخیرہ ہوتی ہے وہی قدیم
آگ کی حرارت بن کر ظاہر ہوگی اور اسی حرارت کو انجن میں داخل کر کے حرکت کی صورت میں
بدل سکتے ہیں اور جب غلہ میوہ ترکاری وغیرہ سے انسان اور حیوانات غذا کرتے ہیں تو کئی
صورتیں بدل کر یہ غذا ان کے خون میں شامل ہوتی ہے اور وہاں جس طرح سے انجن میں لکڑی
جل کر انجن کو گرم کرتا ہے جسم حیوان کی حیوانی حرارت پیدا کرتی ہے اور جس طرح سے وہ حرارت
انجن میں حرکت جسمانی سے تبدیل ہوتی ہے جسم حیوانی میں قوت حس خیال فکر وغیرہ اور حرکات
عضلانی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جس طرح سے لکڑی جلنے کے بعد اس میں سے فضلات
اس کے دھواں اور خاک کی شکل میں خارج ہوتے ہیں اسی طرح سے جسم حیوان میں سے غذا
جلنے کے بعد کاربانک ایسڈ ہو کر سانس کی راہ سے خارج ہو جاتا ہے اور باقی فضلات اور راہوں
سے نکلتے ہیں اور جیسے انجن میں لکڑی جلانے کے لیے ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح سے
جسم حیوان میں غذائی اجزا جلانے کے لئے ہوا میں سانس لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرض
آفتاب کی حرارت انجنوں میں حرکت کی صورت میں بدلتی ہے نباتات میں ان کی قوت طبعی
بن جاتی ہے حیوانات میں قوت حیوانی نفسانی اور طبعی کی صورت پکڑتی ہے علاوہ اس کے
قوت برقی کیمیاوی حرارت روشنی وغیرہ سب آفتاب کی شعاعوں کی مختلف صورتیں
ہیں۔

چاند کے بہت فوائد ابھی تحقیق نہیں ہوئے مگر جس قدر معلوم ہوئے ہیں ان میں
سے چند کا بیان کرنا یہاں مناسب ہے رات کو چاند سورج سے روشنی لے کر اس کو زمین پر
منعکس کرتا ہے جس کے سبب انسان و حیوان رات کو بھی کاروبار کرنے سے محض تاریکی
کے باعث مجبور نہیں رہتے۔ سمندر کا مد و جزر بھی چاند کی کشش سے ہوتا ہے جس کے
فوائد بہت بڑے ہیں جو سمندر کے پانی کی حرکت سے حاصل ہوتے ہیں اور چاندنی میں
میوے بھی خوب پختہ ہوتے ہیں۔

زمین پر جو موجودات ہیں ان کے طبعی خواص بھی بڑی بڑی حکمتیں ظاہر کرتے ہیں
تمام اجسام کی یہ خاصیت ہے کہ حرارت سے پھیلتے ہیں اور خفیف ہو جاتے ہیں اور

برودت سے کثیف اور ثقیل ہو جاتے ہیں گر اجسام کا لطیف اور کثیف ہونا تو حرارت کی کمی بیشی پر موقوف ہے اور ثقیل اور خفیف ہو جانا اجسام کی قوت کشش کے خاصہ کا نتیجہ ہے پانی کا خلاف عام قاعدے کے یہ خاصہ ہے کہ جب اس قدر سرد ہونے لگتا ہے کہ منجمد ہو جانے کے قریب ہو تو اور منبسط اور خفیف ہو جاتا ہے اس میں بہت بڑی حکمت ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح لاکھوں جانور ہوا میں رہتے ہیں اسی طرح سے لاکھوں حیوانات پانی میں رہتے ہیں اگر سردی سے جھیلیں دریا اور سمندر ہمیشہ منجمد ہو جایا کریں تو یہ آبی حیوانات بالکل تباہ ہو جائیں۔ لیکن جب موسم سرما کی سردی پانی کی سطح کو سرد کرنے لگتی ہے تو عام قاعدے کے موافق سطح کا پانی ثقیل ہو کر نیچے جانے لگتا ہے اور نیچے کا گرم پانی اُس سے خفیف ہونے کے باعث اوپر آجاتا ہے اور جب یہ پانی اور زیادہ سرد ہوتا ہے تو ثقیل ہو کر پھر نیچے جاتا ہے اور نیچے کا پانی اوپر آجاتا ہے اسی طرح سے ہوتے ہوتے تمام اوپر نیچے کے پانی کی حرارت یکساں ہو جاتی ہے اور اب اس سے زیادہ سرد ہو تو منجمد ہونے کو ہوتا ہے مگر اس وقت جب اُس کی برودت اس درجے تک پہونچ جاتی ہے تو دوسری خاصیت ظہور میں آتی ہے یعنی جتنا زیادہ سرد ہوتا ہے اتنا ہی خفیف ہو کر سطح پر رہتا ہے یہاں تک کہ منجمد ہو جاتا ہے اور نیچے کا پانی سیال رہتا ہے اور جس قدر حرارت اس میں باقی ہے اُس کو خارج نہیں ہونے دیتا اس لیے حیوانات آبی نیچے زندہ اور محفوظ رہتے ہیں۔

جب کہ سطح زمین کا زیادہ حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے اور بہت خشکی کے حصے پانی سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں تو پانی کو اتنا ثقیل بنا دیا کہ کشتی اُس پر تیر سکے اور انسانوں کو تجارت اور سفر کرنا اس کی سطح پر سہل ہو جائے اگر ایسا نہ ہوتا تو آدمیوں کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ زمین پر آباد ہوتیں اور ایک جماعت کو دوسری جماعت سے کچھ تعلق نہ ہوا کرتا تو تمدنی حالت میں بڑا نقص اور فتور واقع ہوتا مگر پانی کے ثقل کی خاصیت نے یہ تمام دقتیں رفع کر دیں اور اب چونکہ انسانی نوع میں ترقی نظر آرہی ہے اس کا زیادہ حصہ بحری اور نہری سفروں کی سہولت سے حاصل ہوا ہے اور چونکہ پانی کا سیال ہونا آفتاب کی حرارت پر موقوف ہے اس لیے یہ نعمت بھی انسان کو آفتاب کی بدولت حاصل ہوئی۔

آفتاب کی حرارت جب پانی کو گرم کرتی ہے تو پانی ہوا کی صورت میں ہو کر اڑتا ہے اور طبقہ زمہریر تک پہونچ کر سرد ہو کر پانی کے ذرات میں بدل کر بادلوں کی شکل میں ہو جاتا ہے جب اس طرح کے بخارات کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں اور ہوا سے متحرک ہوتے ہیں تو ان میں بجلی کی طاقت پیدا ہوتی ہے جس کے سبب نیچے اوپر کے بادلوں میں کشش پیدا ہو جاتی ہے اور اس کشش کے ذریعے سے دور دور سے بخارات آ کر جمع ہو جاتے ہیں اور بہت بہت ذرات پانی کے جمع ہو کر قطرات بن جاتے ہیں جو وزنی ہونے کے باعث زمین کی طرف نزول کرنے میں تب بارش ہوتی ہے لیکن یہ بھی قانون قدرت ہے کہ جس زمین میں نباتات زیادہ پیدا ہوتی ہے وہاں بارش زیادہ ہوتی ہے اور بنجر جنگلوں میں بہت کم یا بالکل نہیں ہوتی اگرچہ اس کی وجہ ابھی تک ٹھیک معلوم نہیں ہوئی مگر غالباً نباتات کے برقی خواص کو اسی قاعدے میں دخل ہو گا چوں کہ آفتاب کی حرارت سے پانی کے بخارات اوپر جاتے ہیں اور بجلی کی کشش سے جمع ہو کر اور ہواؤں کی حرارت کے ساتھ کہیں کے کہیں پہونچ کر برستے ہیں اور یہ پانی تمام عالم نباتات کی پرورش کرتا ہے جو نباتات حیوانات کی غذا سکونت وغیرہ بہت ضرورتوں میں کام آتے ہیں۔ اس طرح بھی آفتاب ہی اس عالم کے انتظام اور حیات کا بڑا جزو اعظم یا واسطہ ہے۔

بہت قسم کے اجسام ارضی پانی میں حل ہو کر نباتات کی جڑوں کے مساموں میں سے جذب ہو کر ان کی رگوں کی راہ سے پتوں تک پہونچتے ہیں اور درخت کو غذا پہونچاتے ہیں اور حیوانات کے فضلات جسمانی ان اجزائے ارضی کے حل کرنے میں مدد دیتے ہیں اور حیوانات ہوائی فضلات کاربانک ایسڈ امونیا وغیرہ کی شکل میں ہو کر ہوا میں مل جاتے ہیں وہ پتوں کے مساموں کی راہ سے اندر جا کر آفتاب کی شعاعوں کی مدد سے نباتات کو غذا پہونچاتے ہیں جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جیسے انسان و حیوان کا وجود نباتات کے وجود پر موقوف ہے اسی طرح سے نباتات کا وجود حیوانات کے وجود پر موقوف ہے۔

نباتات اپنی قوت طبعی کے ذریعے سے اجزائے ارضی اور فضلات حیوانی کے

ہوسکے بواسطہ شعاع آفتاب غذا لے کر بڑھتے میں پھولتے ہیں اور پھلتے ہیں اور آیندہ نسل پیدا کرنے کے لئے تخم پیدا کرتے ہیں جس کے زمین پر پھیلانے کے لیے صانع مطلق نے عجیب عجیب سامان مہیا کئے ہیں۔ بعض تخم ایسے ہیں کہ اُن میں پر یا بڑے بڑے بال لگا دیے ہیں جن کے سبب ہواؤں سے اڑکر دور دور پہونچتے ہیں اور جہاں کہیں اپنے موافق زمین پاتے ہیں وہیں اُگ آتے ہیں۔ بعض پھلوں کو پرندے کھاکر کہیں دور جگہ بیٹ کرتے ہیں تو بیج اُن کے شکم سے ثابت نکل کر زمین پر گرتے ہیں وہاں جم آتے ہیں۔ علاوہ اس کے اور ہزاروں تدبیریں اُن کی نسل پھیلانے اور قایم رکھنے کی صنعت نے قایم کی ہیں۔

بعض بیلیں دوسرے درختوں پر چڑھکر پرورش پاتے ہیں اور اُن میں باریک تار سے پیدا ہوتے ہیں اور چاروں طرف حرکت کرتے رہتے ہیں جب اُن کو کوئی شاخ یا سہارا ملتا ہے اس پر لپٹ جاتے ہیں تب آگے اُس بیل کی دو شاخ پھوٹتی ہے پھر اُس میں سے تار پیدا ہوتی ہے اور کسی دوسری تار پر لپٹتی ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے بلند درختوں کی چوٹی تک چڑھ جاتی ہے۔

بعض نباتات کیڑوں سے بھی غذا کرتے ہیں اُن کے پتوں میں ایک ایسی قدرتی طاقت ہوتی ہے کہ جب کوئی کیڑا یا مکھی اُس پتے پر بیٹھے تو فوراً مثل انسان کی طرح وہ پتہ بند ہوجاتا ہے اور کیڑا اندر ہی اندر اُس کی غذا ہوجاتا ہے۔

درختوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں اور جب تک اُن کا اتصال نہ ہو پھل اور تخم پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن نر و مادہ کے لحاظ سے درختوں کی بہت اقسام ہیں بعض میں تو نر درخت علیحدہ ہوتا ہے اور مادہ درخت علیحدہ۔ نر درخت کے پھول میں صرف نر مادہ ہوتا ہے اور مادہ درخت کے پھول میں مادین اعضا ہوتے ہیں اور نر مادہ یا تو ہوا کے ذریعے سے اڑکر مادین اعضا تک پہونچتا ہے اور یا چھوٹے پردار کیڑے اول پھول پر بیٹھتے ہیں بعد میں مادین پھول پر آتے ہیں اور اس طرح سے نر مادہ جو اُن کے جسم سے لگ جاتا ہے وہ مادین پھول میں آکر داخل ہوتا ہے۔ تب وہ پھول حاملہ ہوکر پھل لاتا ہے اور تخم پیدا کرتا ہے مگر نر درخت میں پھل

اور تخم پیدا نہیں ہوتا۔
بعض درخت ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں نر اور مادہ پھول ایک ہی درخت پر علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں اور وسائط مذکورہ سے نر مادہ مادین پھول میں پہونچ کر اس کو حاملہ کرتا ہے اور نر پھول خشک ہو کر جھڑ جاتا ہے اور اکثر درختوں میں ایسا ہوتا ہے کہ ان کے ہر ایک پھول میں درمیان میں مادین اعضا اور ان کے گرد نر اعضا ہوتے ہیں اور وہیں سے مادین اعضا حاملہ ہو کر پھل اور تخم پیدا کرتے ہیں اور ان پھولوں میں اکثر خوشبو اور ایک شیریں مواد بھی پیدا ہوتا ہے جس کے لالچ سے کیڑے اور مکھیاں ان پر بہت آتے ہیں اور ان میں اس طرف سے اس طرف پھرتے ہیں نر مادہ کو مادین عضو پر پہونچا دیتے ہیں۔

حیوانات کی افراد کو قایم رکھنے اور ان کی نسل بڑھانے کے لیے سامان جو قدرت سے مہیا ہوتے ہیں وہ نباتات کے سامان سے بہت بڑھ کر ہیں جس حیوان کو جس قسم کی غذا کی ضرورت ہے وہ غذا اس کے قریب ہی پیدا ہوتی ہے اس کی شناخت کی حس اس کو دی ہے اس کے حاصل کرنے کے لایق اعضا اس کو عطا کیے ہیں اس کے چبانے اور کھانے کے مناسب دانت وغیرہ اس کو بخشے ہیں اور اس کے ہضم کرنے کے لایق اس کو معدہ عطا کیا ہے اور اس غذا کے جسم میں جلانے کے لیے تاکہ اس سے طاقتیں پیدا ہوں ہوا جذب کرنے کا سامان بھی اس کے جسم میں بنا دیا ہے اور ہوا بھی اس کے گرد پیدا کر دی ہے یہاں تک کہ آبی حیوانات کے لیے ان کے پھیپھڑے اس طرح کے بنائے ہیں کہ پانی میں کی حل ہوئی ہوئی ہوا کو جذب کر لیں اور پانی متحرک ہو کر ہوا کو ہمیشہ حاصل کرتا رہتا ہے بلند پرواز پرندوں کی بصارت ایسی تیز بنائی ہے کہ بہت بلندی سے وہ اپنی غذا جہاں موجود ہو دیکھ لیتے ہیں جن پرندوں کی غذا ہمیشہ ایک ملک میں موجود نہیں رہتی ان کو پرواز کی ایسی طاقت دی کہ جس موسم میں جس ملک میں جہاں کہیں ان کی خوراک موجود ہو سیکڑوں میل پرواز کر کے وہاں پہونچ جاتے ہیں ہر ایک حیوان کو اپنی مضر اور مفید غذا میں تمیز کرنے کے لیے حس شامہ و ذایقہ ایسی عطا کی ہے کہ وہ کبھی غلطی نہیں کرتا جس جانور کی غذا سطح زمین کے نیچے ہوتی ہے اس کو زمین کریدنے اور کھودنے کے لایق اعضا دیے گئے ہیں۔ حیوانات کی نسل قایم رکھنے کے

واسطے بھی قدرت سے ہر ایک سامان مہیا ہے مگر والدین کی رغبت اور والدین کو اپنے بچوں
کی پرورش کرنے کی تدبیریں اور ان سے محبت وغیرہ فطرت میں ڈالی گئی ہے بچہ دینے والے
حیوانات میں جیسے حمل ہوتا ہے تب ہی سے ان کی چھاتیوں میں ایک ایسا فعل ہونا شروع
ہو جاتا ہے جس کے باعث بچہ کے پیدا ہونے کے بعد چھاتیوں میں دودھ پیدا ہو جاتا ہے
اور چونکہ بچہ کو پیدا ہونے کے بعد مسہل کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اول دو تین روز تک
اس کی ماں کا دودھ بھی قدرت کے مسہل کی ہی تاثیر رکھتا ہے اور ابتدائے پیدائش
میں جو بچہ نہایت ضعیف ہوتا ہے اور اپنی غذا خود حاصل کرنے کے لائق نہیں ہوتا تو ادھر
تو ماں کی چھاتیوں میں اس کی مناسب حال پیدا ہو جاتا ہے اور ادھر ماں کو دودھ پلانے
کی ضرورت اور بچے کی محبت طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے۔ جب ذرا سخت غذا کھانے
کے لائق بچہ ہو جاتا ہے تو اول دودھ کے کمزور دانت پیدا ہوتے ہیں اور جب خوب مضبوط
ہو کر زیادہ سخت غذا کا محتاج ہوتا ہے۔ تب یہ نرم دانت گر کر زیادہ مضبوط دانت پیدا ہوتے
ہیں۔ جو جانور قوی ہیں یا شکاری ہیں ان کی نسل کم ہوتی ہے کیوں کہ ان کے دشمنوں سے
محفوظ رہنے کے باعث ان کی نسل تھوڑی بھی ہو تو قایم رہتی ہے مگر ضعیف اور چھوٹے
حیوانات جن کے دشمن بہت ہوتے ہیں ان کے بچے بہت کثرت سے ہوتے ہیں تاکہ
باوجود کثرت سے مارے جانے کے ان کی نسل قایم رہے پھر جو اعضائے حیوانات کو
ان کی ضرورتوں کے موافق بخشے گئے ہیں ان میں کا ہر ایک بے انتہا حکمتوں اور قدرتوں
کا نمونہ ہے مثلاً ایک انسان کی آنکھ کی بناوٹ پر غور کرو اور اس کی ضرورتوں اور فوائد پر
نظر کرو بڑا تعجب اور حیرانی ہوتی ہے اور قوانین قدرت میں زیادہ غور کرنے والوں کو ایسے
امور میں نظر کرنے سے بڑے فوائد حاصل ہوتے ظاہر ہیں انسان کی آنکھ صرف حس باصرہ
کا آلہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کے اندرونی حالات اور نفسانی جذبات بھی ضرور آنکھ کے دیکھنے
سے معلوم ہو جاتے ہیں خوشی، رنج و غصہ۔ رحم۔ امید۔ مایوسی۔ ندامت تردد اطمینان
محبت عداوت رغبت نفرت ذہانت عبادت فریب سادہ لوحی وغیرہ یہ سب حالات
آنکھ کے قیافہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں جو دوسرے ابنائے جنس کو معاشرت کی معاملا

میں بڑی مدد دیتے ہیں خوب صورتی بھی تمام اعضا میں سے آنکھ سے زیادہ ظاہر ہوتی
ہے اور چونکہ اس آنکھ کی بناوٹ اس کے اجزا کی نزاکت کو لازم پکڑتی ہے تو اُس کو ایسے
مضبوط استخوان کے غار میں موضوع کیا ہے کہ عام صدمات سے محفوظ رہے اور اُس کو حرکت
کی طاقت بھی ایسی ملی ہے کہ سامنے داہنے بائیں نیچے اوپر ہر طرف حرکت کر کے دیکھ سکتی
ہے اور نیچے اوپر دو پلکوں کے کواڑ ایسے لگا دیے ہیں کہ ہر وقت کھلتے اور بند ہوتے رہتے
ہیں کسی مضر شے کے قریب آنے پر اتنی جلدی بند ہوتے ہیں کہ طرفۃ العین کی سرعت
ضرب المثل ہو گئی ہے۔ اب آنکھ کی ساخت پر غور کرو تو عجیب حکمتیں نظر آتی ہیں۔ آنکھ
کا ڈیلا جس کو حدقہ کہتے ہیں ایک مضبوط اور ملائم جھلی کا کرہ ہے جو درمیان میں سے خالی
ہے اس کرے میں باہر سامنے کی طرف ایک شفاف پردہ لگا دیا گیا ہے جس میں سے روشنی
کے سوا اور کوئی شے نہیں گذر سکتی اور وہ شفاف اس درجہ کا ہے کہ دنیا میں اُس سے
بڑھ کر کوئی شے شفاف نہیں ہو سکتی اس پردے کو قرنیہ کہتے ہیں قرنیہ کے پیچھے ایک اور
پردہ ہے جو مختلف آنکھوں میں مختلف رنگوں کا ہوتا ہے مگر غالب اُس میں سیاہی یا سبزی
یا نیلگونی ہوتی ہے اور چونکہ قرنیہ بالکل شفاف ہوتا ہے اس لیے اُس پردے کا رنگ اُس
میں سے نظر آیا کرتا ہے اور اس پردے کے درمیان ایک گول سوراخ ہوتا ہے اور اس میں
سے روشنی آنکھ کے اندر جاتی ہے اس سوراخ دار پردے کو عنبیہ کہتے ہیں قرنیہ اور عنبیہ کے
درمیان ایک غلیظ شفاف رطوبت ہے اور اس رطوبت اور عنبیہ کے پیچھے ایک منجمد رطوبت
ہے جو عینک کے محدب شیشے کی شکل کی ہوتی ہے جس کی ضرورت اور فوائد کے بیان کا یہاں
موقع نہیں ہے کیونکہ اُس کے خواص کا سمجھنا علم مناظرہ و مرایا کی واقفیت پر موقوف ہے۔
اس کے پیچھے ایک اور رطوبت ہے اس کے پیچھے ایک پردہ ہے جس پر روشنی کی شعاعیں
سامنے کے اجسام کی تصویر ڈالتی ہیں اور اس تصویر کی خبر دماغ کو ہوتی ہے تب شے
دیکھی جاتی ہے عکس کی تصویر کھینچنے میں بالکل آنکھ کے طریق فعل کی نقل کی جاتی ہے
تب عکس کی تصویر پچھلے پردے پر شعاعوں کے ذریعے سے بنتی ہے۔ پردہ عنبیہ جس میں
پتلی کا سوراخ ہوتا ہے اس کی ایک عجیب خاصیت ہے یعنی جہاں روشنی زیادہ ہوتی ہے

وہاں پتلی کا سوراخ تنگ ہوجاتا ہے تاکہ ضرورت سے زیادہ شعاعیں آنکھ میں داخل ہوکر پچھلے پردے کو تکلیف نہ دیں اور جس مکان میں یا جس وقت روشنی کم ہوتی ہے اُس مکان میں جانے پر یا اُس وقت باریک بین پتلی فراخ ہوجاتی ہے تاکہ اتنی زیادہ روشنی آنکھ میں داخل ہو کر سامنے کی روشنی کی تصویر پچھلے پردے پر بن جائے تاکہ محسوس ہو سکے اسی لئے جب کوئی شخص موسم گرما میں دروازے بند کرکے سوتا ہے اگر دفعتہً اُٹھ کر باہر دھوپ میں آجائے تو باہر کی روشنی آنکھ میں چبھتی ہے اور چکاچوند لگتی ہے مگر تھوڑی دیر میں پتلی تنگ ہوجاتی ہے تب وہ تکلیف نہیں ہوتی اور جب کوئی شخص دھوپ میں سے چلا آیا ہو اور دفعتہً تاریک مکان میں آجائے تو اُس کو کچھ نظر نہیں آتا کیوں کہ اُسکی پتلی باہر کی زیادہ روشنی میں تنگ ہوئی ہوئی تھی اب اندر کی کم روشنی اتنی آنکھ میں داخل نہیں ہوسکتی جس سے ٹھیک تصویریں کھنچ سکیں مگر تھوڑی دیر میں پتلی فراخ ہوجاتی ہے اور تب اُس کو اندر مکان میں بھی اچھا نظر آنے لگتا ہے۔ اگرچہ پتلی کا تنگ اور فراخ ہونا انسان اور ہر ایک حیوان کی آنکھ میں دیکھا جاتا ہے۔ مگر بلی کی آنکھ میں یہ تفاوت بہت ظاہر ہوتا ہے دوپہر کے وقت بلی کی آنکھ کی پتلی ایک باریک تاگے کے موافق ہوتی ہے مگر رات کو چراغ کے سامنے دیکھے تو انسان کی پتلی سے زیادہ فراخ اور گول ہوتی ہے اور بالکل تاریکی میں اس سے زیادہ فراخ ہوتی ہوگی یہی بھی تو بلی اندھیرے میں شکار کرلیتی ہے۔

انسان اور حیوان کے جسم میں صحت اور زندگی کے قائم رہنے کے لیے ایک درجہ کی حرارت کا ہونا ضروری ہے جو بدن میں غذا کے جلنے سے پیدا ہوتی ہے لیکن بات اور دن الگ گرما اور سرما اور مختلف سرزمینوں کی مختلف حرارت اور برودت کے درجے بدن کے سرد گرم ہونے میں بڑا اثر رکھتے ہیں اگر کوئی خاص قدرتی تدبیر بدن کو مناسب درجے کی حرارت پر قائم رکھنے کے لئے نہ ہوتی تو زندگی محال ہوجاتی مگر وہ قدرتی تدبیر سب حیوانوں میں جن کو حرارت کی ضرورت ہے پائی جاتی ہے۔ مثلاً انسان کے بدن کی حرارت طبعی ۹۸ درجہ کی ہونی چاہیے صحت میں ہمیشہ اسی قدر رہتی ہے خواہ باہر کی ہوا

اتنی سرد ہو کر پانی کو منجمد کردے یعنی ۳۲ درجہ تک پہونچ جائے خواہ زیادہ گرم ہو یعنی ۱۱۰ درجے اگر سردی زیادہ ہوگی تو اشتہا اور ہاضمہ قوی ہوگا غذا زیادہ کھائی جائیگی جس سے زیادہ حرارت پیدا ہو اور جسم کے مسامات بند ہوجائیں گے تاکہ اندر کی حرارت بند رہے اور جو موسم زیادہ گرم ہوگا تو اشتہا کم اور ہاضمہ ضعیف ہوجائے گا اور مسام کھل کر عرق اتنا آئے گا کہ وہ بدن کو سرد کرتا رہے گا تاکہ حرارت بدن ۹۸ درجے سے بڑھنے نہ پائے۔

یہاں تک جو موجودات عالم کے حالات بیان کئے گئے ہیں وہ بہت مختصر اور عام فہم لکھے گئے ہیں تاکہ ہر ایک پڑھنے والا اُن کو سمجھ سکے اور جو زیادہ باریک بینی سے اور بڑے عجیب تماشے قدرت کے نظر آتے ہیں لیکن ان باریک باتوں کو علوم طبیعیہ وغیرہ کے ماہروں کے سوا ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا اور چونکہ اس زمانے میں حالات موجودات معلوم ہوئے ہیں اُن کا لاکھواں حصہ بھی کسی چھوٹی کتاب میں نہیں لکھا جا سکتا یہاں تو صرف نمونہ کے طور پر انتظام عالم کا طریق دکھلایا گیا ہے تاکہ اس پر غور کرنے سے قرآن کے استدلال کی صداقت سمجھ میں آجائے لیکن ابھی ایک بڑا ضروری حصہ حالات موجودات کا باقی ہے جسکے سمجھنے کے بغیر کوئی استدلال سمجھ میں نہیں آتا وہ انسان کی روحانی صفات ہیں انکا مفصل لکھنا تو اس رسالے میں گنجایش نہیں رکھتا مگر بقدر ضرورت سوقہ مختصر طور پر بیان کیا جاتا ہے

انسان میں علاوہ قوائے طبعی کے جو نباتات میں بھی پائے جاتے ہیں اور علاوہ قوائے حیوانی کے جو دوسرے حیوانات میں بھی پائے جاتے ہیں دو قسم کی اور قوتیں ہیں جن کے باعث یہ تمام مخلوقات سے ممیز ہے ایک قوت ذہنی اور دوسری قوت اخلاقی اگرچہ یہ دونوں حیوانات کی ضرورت کے موافق ان میں بھی پائے جاتے ہیں مگر انسان میں جس حد کمال تک پہونچی ہیں حیوانات کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں قوت ذہنی انسان کے علم حاصل کرنیکا ذریعہ ہیں توائے اخلاقی اُس کے صدور افعال کے محرک ہیں جب کسی بات کا علم انسان کو حاصل ہوتا ہے تو اس سے کوئی قوت اخلاقی پیدا ہوتی ہے اور وہ قوت اخلاقی

کسی فعل کے ظہور کا موجب ہوتی ہے۔ مثلاً جب انسان کو اس بات کا علم حاصل ہو کہ فلاں جگہ کوئی بڑا دشمن یہاں آنے والا ہے تو یا تو اُس خوف پیدا ہوگا اور اپنی حفاظت کی کوئی تدبیر کرے گا اور یا غصہ جوش میں آئے گا اور انتظام لینے کا بندوبست کرے گا اُس کو پہلے علم قوت ذہنی سے حاصل ہوا اس علم سے خوف یا غضب قوت اخلاقی تحریک میں آئی اس اخلاقی تحریک سے کسی قسم کا فعل ظہور میں آئے گا اسی طرح سے انسان کے تمام افعال کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے علم حاصل ہوتا ہے اُس سے کوئی جذبہ پیدا ہوتا ہے تب اُس سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے۔ علوم دو قسم کے ہیں ایک بدیہی دوسری نظری یا فکری بدیہی علوم تو وہ ہیں جو بغیر فکر کرنے کے حاصل ہوتے ہیں جیسے محسوسات کا علم ہے۔ بدیہیات کے ذریعے سے نظری علوم حاصل ہوتے ہیں اور اُن کے حاصل کرنے کے قواعد منطق میں بحث کی جاتی ہے۔ لیکن چند علوم ضروری یا فطری ہیں جن کے بغیر نہ بدیہی علوم حاصل ہوتے اور نہ نظری علوم حاصل ہو سکتے۔ بلکہ یہ دونوں قسم کے علوم انہی پر مبنی ہیں فطری علوم کی نسبت فلسفہ الٰہی والوں میں اختلاف ہے کہ وہ کون کون سے علوم ہیں لیکن اُن میں سے اپنے وجود کا علم جس کو علم حضوری بھی کہتے ہیں اور اس بات کا علم کہ ہر ایک صفت کے لیے موصوف کا وجود ضروری ہے* اور نیز جو شے حواس خارجی سے محسوس ہوتی ہے اس کا وجود خارج میں ہے بے شک فطری علوم ہیں اور ہر ایک معلول کے لیے کسی علت کا وجود ہونا ضروری ہے اور قانون قدرت کی وحدت لازمی ہے یعنی جو علت آج کسی معلوم کا باعث ہے وہ

---

*نوٹ - مثلاً جس شے کو ہم محسوس کرتے ہیں ہم کو صرف اُس کی صفات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ہم کو صفات سے بڑھ کر موصوف کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے جیسے ایک درخت کو ہم نے دیکھا تو اُس کا رنگ بلندی پھیلاؤ سختی نرمی وغیرہ معلوم ہوئی یہ تمام صفات ہیں۔ لیکن ان صفات سے علاوہ ہم کو موصوف کے وجود کا علم ہو جاتا ہے جس کی یہ صفات ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جتنی موجودات کا علم انسان کو ہوتا ہے۔ براہ راست تو صرف صفات کا علم ہوتا ہے۔ اور اُن کے ذریعے سے طبعاً موصوف کے وجود کا علم آ جاتا ہے۔ ۱۲- راقم -

زمانہ ماضی اور زمانہ استقبال میں اُس معلول کا باعث ہوگی یہ دونوں تصدیقیں بھی ہر ایک انسان کی فطرت میں پائی جاتی ہیں گو اُن کے استعمال میں کسی وجہ سے غلطی واقع ہوجائے۔

اس کے سوا دو تصدیقیں اور بھی ایسی یقینی اور بدیہی ہیں کہ گو اُن کو کوئی شخص فطری تسلیم نہ کرے مگر انسان کو یقین اور اطمینان دلانے کے واسطے فطرتاً کافی خیال کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ جس امر پر تمام افراد انسانی کا اتفاق رائے ہو وہ امر صحیح ہے اور دوسرے جس امر پر ہر ایک شخص کا وجدان شہادت دے وہ صحیح ہے۔

اب آیات مذکورہ بالا پر غور کرو اور دیکھو کیسے خوب صورتی اور استحکام اور صحت کے ساتھ قرآن میں خدا کے وجود اور اُس کی توحید پر استدلال کیا گیا ہے کہ جن کے قطعی اور صحیح ہونے سے کوئی منصف تامل کرنے والا انکار نہیں کر سکتا۔

ایک شہادت تدبیر ایسے قرآن میں پیش کی گئی ہے کہ وہ ایک ہی شہادت ایک ایسے علت العلل کے وجود پر شہادت دیتی ہے کہ جس کا علیم حکیم اور قدیر ہونا بھی ساتھ ہی ساتھ ثابت ہوجاتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی ویرانہ میں خواہ سمندر کے درمیان کسی چھوٹے سے جزیرے میں ایک مکان کسی ایک پتھر سے تراشا ہوا دیکھے جس کے مانند اُس نے کبھی نہ دیکھا ہو۔ مگر اُس میں رہنے سونے اور کھانا پکانے کی کوٹھریاں اور چھت پر چڑھنے کا زینہ وغیرہ سامان اس طرح کا پائے جو انسان کی سکونت کے لیے ضروری اور مفید ہے۔ اگرچہ وہاں اُس وقت کوئی آدمی موجود نہ ہو بلکہ گرد نواح میں بھی کوئی شخص نہ ہو تاہم اس کے دیکھنے والے کو یقین ہوجائے گا کہ یہ مکان کسی انسان کا بنایا ہوا ہے ہرگز اس میں شک نہیں کرے گا۔ اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ اُس کو فطرت اور تجربہ سے اس بات کا علم ہے کہ کوئی باتدبیر کام بغیر علم عقل قدرت اور ارادے کے ظہور میں نہیں آیا کرتا اور وہ جانتا ہے کہ زمین کے تمام مخلوقات میں سے صرف انسان یہ قوتیں رکھتا ہے۔ اس لئے اس طرح کے موقع پر اُس کو یقین ہوتا ہے کہ یہ کام انسان کا ہے کیوں کہ باتدبیر کام سے یہ مراد ہے

کہ ایک فعل کے کرنے میں ایسے وسایل استعمال کئے جائیں اور ایسے سامان مہیا کئے جائیں جو اُس فعل کی غرض حاصل کرنے سے مناسبت اور تعلق رکھتے ہوں اور چونکہ انسان کو اپنے نفس کا علم یقینی ہے اور اس کی صفات کو بغیر تامل کے جانتا ہے اور اپنے فعلوں کی ماہیت کو جانتا ہے تو اس قسم کے فعل کا پتہ جہاں کہیں اُسکو لگتا ہے تو اس فعل کو انسان یا نفس انسانی کی طرف منسوب کرتا ہے اگرچہ حیوانات کے بعض فعل بھی اُن کی ضرورتوں کے موافق باتدبیر ہوتے ہیں مگر اُن کو دیکھ کر یا تو یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ حیوانات اس کام کرنے کے لایق علم عقل وغیرہ انسان کی طرح سے رکھتے ہیں یا زیادہ عقلمند ہو تو یقین کرتا ہے کہ یہ فعل حیوان کے نفس سے صادر نہیں ہوتا بلکہ ضرور کوئی عقلمند نفس اس سے کراتا ہے غرض تدبیر فعل کے صدور کے لئے جو عقل وغیرہ کی ضرورت مانے ہوئے ہے تو جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا فعل دیکھا جائے گا تو ضرور اُسکا فاعل صفات بالا سے موصوف خیال کیا جائیگا۔ اس زمین کے چھوٹے چھوٹے کاموں کا تو یہ حال ہے مگر جب انسان زمین اور آسمان اور بارش اور دوسری موجودات عالم میں تدبر کرتا ہے تو سب کو باتدبیر پاتا ہے تب اُسے اپنے معلوم قاعدہ کے موافق یقین کرتا ہے کہ اُس کا بنانے والا بھی کوئی نفس علیم وحکیم قدیر مدبر ہے احوال عالم پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ بے اختیار اُس کے ذہن میں آجاتا ہے اور اس پر یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور واقع میں یہ سچا نتیجہ اور سچا علم ہے اور چونکہ موجودات عالم پر جہاں تک اُسکی نظر پہنچتی ہے کہیں اس کی حد نہیں پاتا تو یہ بات بھی بے تامل اُس کے ذہن میں آجاتی ہے کہ جیسے یہ موجودات عالم بیحد ہیں ایسے ہی اُن کا صانع نفس بھی اپنی صفات میں غیر محدود ہے۔

یہ پہلی تدبیر کی شہادت ایسی قوی ہے کہ اُس کے معارض آجتک کوئی دلیل کسی کو معلوم نہیں ہوئی البتہ بعض دہری فلاسفروں نے ایک شک پیش کیا ہے کہ ممکن ہے کہ ابتدا میں بیہودہ ہی خلقت کی چیزیں جن میں کوئی تدبیر نہ پائی جاتی ہو بغیر کسی مدبر کے پیدا ہو گئی ہوں ان میں سے جو رہنے کے قابل نہ تھیں وہ فنا ہو گئی ہوں اور باقی سے آیندہ ترقی ہوئی ہو اور بتدریج ایسی مخلوقات جو ناکافی سامان وجود کا رکھتی ہو فنا ہوتی گئی ہو اور بہتر موجودات ترقی کرتی گئی ہو یہاں تک کہ موجودہ حالت ظہور میں آگئی لیکن اُس قوی شہادت کے مقابلہ میں جو اوپر بیان کی گئی ہے یہ بیہودہ وہم کچھ بھی قدر نہیں رکھتا اسی قسم کی شہادتوں کی طرف قرآن میں اشارہ ہے کہ آسمان اور زمین اور

دوسری وجوہات ہیں نشان میں خدا کے پہچاننے کے متعلق بیان کئے ہیں چنانچہ اسطرح کی چند
آیات کا ترجمہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

دوسری دلیل علت کی حیثیت سے پیدا ہوتی ہے جو وجود صانع پر بڑی پختہ شہادت
ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک انسان کی فطرت میں اس بات کا یقین ہے کہ ہر ایک متغیر اور حادث
کے لئے کوئی علت ہونی چاہیے مگر اس جہان میں جو علتیں دیکھی جاتی ہیں وہ خود متغیر اور
دوسری علتوں کے معلول ہوتی ہیں اسی طرح سے سلسلہ علت و معلول کا زمانہ ماضی کی طرف
کو سلسلہ چلے جاؤ تو [illegible] ختم ہوتا نظر نہیں آتا کیونکہ ازل سے جو علت خیال کی جائے سب
ہی کے متغیر اور حادث ہونے کے لئے بھی کوئی علت تلاش کرنی پڑے گی جبتک کوئی
علت ایسی خیال نہ کی جائے جو غیر حادث اور غیر متغیر ہو تب تک سلسلہ علت و معلول کا کہیں
ختم نہ ہوگا اور تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل فطری عقل کو ایسا محال معلوم ہوتا ہے جیسا محض عدم
سے وجود ہو جانا محال معلوم ہوتا ہے اس لئے یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ ایک ہستی اس طرح کی موجود
ہے جس میں حدوث اور تغیر کی گنجائش نہیں ہے وہی علت العلل ہے اس دلیل کی طرف ان تمام
آیات میں اشارہ ہے جہاں حوادث کو خدا کے وجود کی نشانیاں بتایا گیا ہے۔

تیسری دلیل جو اسی علت کی ضرورت سے پیدا ہوتی ہے جیسے دنیا میں جو علت معلول قرار
دیئے جاتے ہیں جب ان میں غور کریں تو کوئی بھی معلول کی علت معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ جن
واقعات میں توالی ثابت کی دیکھی گئی ہے ان میں سے پہلے واقعہ کا نام علت رکھ دیا ہے اور
دوسرے کا معلول مثلاً گرمی پانی کے بخار بنانے کی علت کہی جاتی ہے مقناطیس کا لوہے کے
قریب آنا جذب کرنے کی علت [illegible] کپڑے کو اون یا ریشم کے کپڑے سے
رگڑنا اس میں بجلی پیدا کرنے کی علت کہا جاتا ہے یا نر و مادہ کا جمع ہونا نسل کے پیدا کرنے کا سبب
خیال کیا جاتا ہے [illegible] صرف یہ بات دیکھی
جاتی ہے کہ ایک واقعہ پہلے ہوتا ہے دوسرا اس کے بعد ہوتا ہے مگر حقیقی علت کا معلوم ہونے
سے علت کی فطری تفتیش ختم نہیں ہو جاتی کیونکہ پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ وہ جسم کے
رگڑنے سے بجلی کیوں پیدا ہوئی مقناطیس کے قریب ہونے سے لوہا کیوں جذب ہوا تو اسکا

جواب صاف ظاہر ہے جیسا کہ شبہ رہا ہے کہ یہ آثار ان اشیا کے خواص قدرتی ہیں جس کے یہ معنے ہیں
کہ ہم اسکو نہیں جانتے اور اس طرح کے سوالوں کا وہ لوگ ہمیشہ یہی جواب دیتے ہیں
کہ فلاں شے میں ایسی قوت ہے یا فلاں شے کی یہ خاصیت ہے لیکن جب دریافت کرو
کہ وہ قوت یا خاصیت کیا شے ہے سوائے لاعلمی کے کچھ جواب نہیں ملتا مگر غور کرنے والے سمجھ
جاتے ہیں کہ بس وہی شے جو حواس سے پوشیدہ ہے کہ نظری تفتیش نے اس کا نام قوت
یا خاصہ رکھا ہے وہی مطلوب ہے جسکے آثار کو حواس ادراک کرتے ہیں اور اس مؤثر کو دل
پہچانتا ہے اور اسی کا نام قدرت ہے وہی خدا قدیم ہے جو نہ کبھی سوتا ہے نہ تھکتا ہے۔

تیسری دلیل کی طرف ان آیتوں میں اشارہ ہے بھلا دیکھو جو تم بوتے ہو تم اسکو اگاتے ہو یا
ہم اگاتے ہیں۔ بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو کیا تم نے اسکو ابر سے اتارا ہے یا ہم اتارتے
ہیں۔ بھلا دیکھو تو آگ کو جو تم سلگاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم کرتے ہیں
اور بھی ایسی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں خواہ ظاہر اسباب جمع کرنے
میں ہم سبب ہوتے ہیں لیکن اصل میں سوائے علت العلل کے کوئی بھی کافی سبب نہیں۔

چوتھی دلیل توحید کی یہی ہے جو انتظام عالم پر غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے جیسے اوپر بیان
کیا گیا ہے کہ سیارات کا انتظام حرکت کس طرح کے ... ہے اور ... سے نباتات جمادات
حیوانات۔ اسباب سماوی سے مربوط ہیں حرارت آفتاب کس طرح ... اشیا کی حیات کا
باعث ہوتی ہے اور تمام مخلوقات ارضی اپنے وجود میں کس طرح سے باہم ایک دوسرے کے
محتاج ہیں ان باتوں پر غور کرنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس عالم کا مدبر صرف ایک ہستی ہے
اگر مختلف خالق ہوتے تو ایک کو دوسرے کی مخلوق سے کچھ تعلق نہ ہوتا۔

پانچویں دلیل منطقی شکل میں بیان کی گئی ہے کہ اگر ایک خدا کے سوا کئی خدا زمین آسمان
میں ہوتے تو زمین آسمان تباہ ہو جاتے لیکن زمین آسمان تو تباہ نہیں ہوئے اس سے لازم
آیا کہ ایک سے زیادہ خدا نہیں ہیں۔ منطق میں یہ ایک دلیل کی قسم ہے اسکو قیاس شرطی کہتے
ہیں اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ شرط و جزا کی شکل میں دو جملے لازم و ملزوم بیان کیے جاتے ہیں
اگر ان میں سے شرط کا وجود پایا جاتا ہے تو جزا کا وجود لازم آجاتا ہے اور اگر جزا کا وجود نہ پایا

جائے تو شرط کا بطلان لازم آتا ہے جیسے کہا جائے کہ اگر آفتاب افق کے اوپر ہے تو دن ہوگا اور اگر آفتاب افق کے اوپر ہونا ثابت ہو جائے تو اس وقت دن کا وجود ماننا پڑے گا اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ دن موجود نہیں ہے تو یقین کرنا پڑے گا کہ آفتاب افق سے اوپر نہیں آیا اسی طرح اگر ایک خدا کے سوا کئی خداؤں کا وجود مانو تو زمین و آسمان کا تباہ ہونا لازم آتا ہے۔ لیکن ہم بالبداہت دیکھتے ہیں کہ زمین و آسمان تباہ نہیں ہوئے تو معلوم ہوا کہ ایک خدا کے سوا کئی خدا نہیں ہیں البتہ اس میں لزوم کا ثابت کرنا باقی ہے کہ کئی خداؤں کے ہونے سے آسمان زمین کی تباہی کیوں لازم آتی ہے۔ سو اسکو بھی قرآن نے دوسری آیت میں بتلا دیا ہے کہ اگر کئی خدا ہوتے تو اپنی اپنی مخلوق کو لیکر علیحدہ ہو جاتے جیسے ایک کی مخلوق کو دوسرے کی مخلوق سے کچھ تعلق نہ ہوتا لیکن مخلوقات میں غور کرنے سے ہمکو معلوم ہو گیا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اگر ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہ ہو تو سب کچھ تباہ ہو جائے اسلئے پہلے قیاس شرطی کی شرط و جزا کا لزوم ثابت ہو گیا۔

چھٹی دلیل خدا کے وجود پر وہ ہے جو عالم انسانی کے تمام افراد کے اتفاق رائے کو بیان کرکے استدلال کیا ہے اور جس امر پر تمام جہان کا اتفاق رائے ہے اس کے تسلیم کرنے کو بھی ہر ایک کا دل آمادہ ہوتا ہے چنانچہ اس قسم کا استدلال ایسی آیات سے ثابت ہوتا ہے جہاں فرمایا ہے کہ کس کی ہے زمین اور جو کچھ ہے اس میں ہے بتاؤ اگر تم کو معلوم ہو البتہ کہیں گے اللہ کی ہے۔ اس طرح کی چند آیتیں اوپر بیان ہو چکی ہیں ان کا مدعا یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مذہب اور رائے کا ہو اس بات کا ضرور اقرار کرتا ہے کہ خالق اس عالم کا ایک ضرور ہے جسکو عرب اللہ کہتے ہیں جب سب کی رائے یہی ہے تو پھر اس معبود کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہئے جو اسکا حق ہے۔ اس دلیل کی صحت کی وجہ یہ ہے کہ جو شے حواس سے غائب ہو اور کوئی استدلال قطعی اور شہادت صحیحہ اس کے ثبوت کے لئے موجود نہ ہو تو اس کی نسبت اختلاف رائے ہونا ضرور ہے لیکن جس ایسی شے کی نسبت اختلاف رائے نہیں ہے تو ضرور اس کے لئے کوئی صحیح شہادت اور دلیل قطعی ہوگی گو ہر ایک شخص کو وہ دلیل معلوم نہ ہو مگر اسکا نتیجہ سب کے نزدیک واجب التسلیم ہوتا۔ اسوجہ سے یہ چھٹی دلیل بھی خدا پر ایمان لانے کے لئے [illegible]

تازہ کرسکنے کے لئے کافی ہے۔

ساتویں دلیل وجدان کی شہادت ہے یہ دلیل اتفاق رائے کی دلیل سے بھی بڑی ہے کیونکہ اتفاق رائے تو دوسروں کی صحیح شہادت پر بھی ہو جاتا ہے لیکن وجدانی شہادت ہر ایک کی طبیعت سے پیدا ہوتی ہے جس کے تسلیم کرنے پر ہر شخص طبعاً مجبور ہوتا ہے گو جھوٹی تعلیم و تربیت سے کوئی شخص اپنی وجدانیات میں بھی شک کرنے لگ جائے گا ایسا شک اصلی مدعا کو کمزور نہیں کر دیتا ایسی نظیریں جہان میں بہت گذری ہیں کہ لوگوں نے اپنے نفس کے وجود میں بھی شک کیا ہے مگر عقلمندوں کی رائے میں ایسے وہمی لوگ اعتبار کے قابل نہیں ہوتے اگر کوئی شخص کہے کہ وجدانیات کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے تو یہ بات سچ ہے کیونکہ وجدانیات ایسے بدیہی ہیں کہ ان کی صحت کے لئے دلیل کی حاجت نہیں ہوتی اور نہ کوئی دلیل ان پر قایم ہو سکتی ہے اور اگر دلیل کے نہ ہونے سے وجدانیات کی صحت کا انکار کیا جائے تو جہان میں کوئی علم صحیح نہ ہے کیونکہ سب معلومات کا مرجع آخر کو وجدان کی طرف ہی ہوتا ہے اگر کوئی شخص کہے کہ محسوسات کے خارجی وجود پر کوئی دلیل نہیں ہے اسواسطے ان کا وجود خارجی ہی تسلیم نہ کیا جائے تو بس تمام علوم کا ہمیں خاتمہ ہو جائے غرض وجدانیات کو ہمیں اسطرح ماننا پڑتا ہے جس طرح ریاضی میں علوم متعارفہ کو مانتے ہیں اگر علوم متعارفہ نہ مانے جائیں تو کوئی مسئلہ نہ اقلیدس کا ثابت ہو نہ حساب کا۔

قرآن شریف نے اس وجدانی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے" آیا کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اوتارا او پر سے پانی اور پھر اگا ہے اس سے باغ رونق والے تم کو طاقت نہیں کہ تم اوگا لو اس کے درختوں کو آیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ؟ بلکہ وہ ایک جماعت ہے کہ بے راہ چلتی ہے"

اسکے بعد کی چند آیتیں اسی مضمون کی اوپر لکھی گئی ہیں یعنی ان باتوں کو تو ہر ایک کا دل مانتا ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی معبود نہیں ہے مگر پھر جان بوجھ کر بے راہ ہو جاتے ہیں۔

آٹھویں دلیل سب دلائل مذکورہ سے پختہ معلوم ہوتی ہے جو حق الیقین کے درجہ تک پہنچاتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک اصلی صفت کے ادراک سے موصوف کے وجود پر ایسا یقین کرنا

ہے کہ صفت کا یقین اُسکے مقابلہ پر ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم ریل گاڑی کی قطاریں جاتی ہوئی دیکھتے ہیں تو اس کی حرکت سمت رنگ وغیرہ کے ادراک سے ریل گاڑی کے وجود کا یقین کرتے ہیں مگر ان صفتوں سے بڑھکر اُس کے وجود کا یقین ہوتا ہے اس طرح سے جب ہم جہان کی موجودات میں علم حکمت قدرت کے نشان پاتے ہیں تو ان سے علیم قدیر کے وجود کا یقین کرتے ہیں اس موقع پر دہریہ لوگ صرف یہ بات کہکر ثبوت کرتے ہیں کہ تمام صفات قانون قدرت ہیں اگرچہ حقیقت میں وہ اس بات کے مقر ہو جاتے ہیں کہ کوئی ان صفات کا موصوف اور اس قانون کا مقنن ہے لیکن اُس کے وجود کا زبان سے اقرار نہیں کرتے یہ بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے یہ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ مجھکو اپنا اور دوسری اشیا کا علم ہے میں سنتا ہوں دیکھتا ہوں کھاتا ہوں پیتا ہوں چلتا ہوں سوتا ہوں اور کام کرتا ہوں مگر یہ سب صفتیں قانون قدرت ہیں میں ان صفتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوں بھلا ایسا شخص مخبوط الحواس یا مجنون کہا جائے گا تو اور کیا کہا جائے اسی طرح یہ کہنا ہے کہ جہان میں گرمی سردی سختی نرمی روشنی تاریکی طاقت انتظام سب کچھ ہے مگر ان صفتوں کا موصوف کوئی نہیں ہے۔

جسقدر آیات موجودات عالم کو پیش کرنے والی اوپر بیان کی گئی ہیں سب اسی دلیل کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور کہیں کہا ہے کہ آسمان میں بھی اللہ ہے اور زمین میں بھی اللہ ہے کہیں فرمایا ہے کہ اللہ نور ہے آسمان اور زمین کا یعنی جس طرح سے ظاہر میں نور مبدء ہوتا ہے ظاہری انکشاف کا اسی طرح سے اللہ مبدء ہے تمام انکشاف کا اور کہیں بتلایا ہے کہ وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے یہ تمام امور اُسی وجود واحد کے ثبوت کی آیات بینات ہیں۔

چونکہ قرآن کا طرز بیان انسان کے طرز بیان سے علحدہ ہے اس میں انسانی کلام کا یہ خاصہ نہیں پایا جاتا کہ جو عبارت ہو اُس سے ایک ہی مطلب مقصود ہو نہیں بلکہ اُس کی ایک ایک آیت کئی کئی قسم کے دلائل اور اسرار اور نکات رکھتی ہے جو غور اور تامل کرنیوالوں پر واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔

یہاں تک نمونہ کے طور پر تھوڑے دلایل قرآنی بیان کئے گئے ہیں جن سے پہلا مقصد مذہب کا جو خدا کی ذات صفات پر ایمان لانا ہے بڑی خوبی اور استحکام اہمیت کے ساتھ اس میں ثابت کیا گیا ہے اور ترغیب و ترہیب و نظائر تاریخی کے ذریعہ سے ان مطالب کو خوب ذہن نشین کرایا گیا ہے کیا ایمان کے اصول کہیں ایسی خوبی کے ساتھ انجیل و توریت میں بیان ہوئے ہیں یا ایسے دلایل کہیں وید یا ژند اوستا میں پائے جاتے ہیں؟ سب سے بڑا مسئلہ ایمان کا جو توحید ذات باری ہے ایسے واضح دلائل اور تاکیدی احکام سے کسی کتاب نے تعلیم نہیں کیا جیسا قرآن نے تعلیم کیا ہے۔ لیکن قرآن ہمکو یہی بتلاتا ہے کہ پہلے سب قوموں میں ہدایت کرنے والے آئے ہیں اور سوائے توحید کے شرک کسی نے نہیں سکھایا اس لئے مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق بھی کوئی الہامی کتاب توحید کے تعلم سے خالی نہیں ہے لیکن قرآن کے برابر کامل تعلیم کسی میں نہیں۔

دوسرا اصول مذہبی خدا کی عبادت ہے جو تمام مذہبوں میں برابر پایا جاتا ہے اب اول ہم کو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ عبادت کیا شے ہے اور اُس کا مقصد کیا ہے اور انسان کو اسکی ضرورت کیوں ہے۔

تمام مذہبوں کے عبادت کے طریقوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلے درجہ کی محبت اور تعظیم کے اظہار کو عبادت کہتے ہیں خواہ کوئی شخص اپنے والدین کی عبادت کرے یا پیر مرشد کی یا حاکم کی یا کسی اور جسمانی یا روحانی ہستی کی یا خدا کی مگر سب میں یہی دو عنصر پائے جاتے ہیں اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض مذہبوں کی عبادت میں محبت کے نشان زیادہ ظاہر کئے جاتے ہیں اور بعض میں تعظیم کے۔

مقصد سب کی عبادت کا اپنی اپنی حاجتوں کا حاصل کرنا ہے خواہ وہ حاجتیں جسمانی ہوں یا روحانی اور خواہ وہ حاجتیں اسی جہان کی ہوں یا دوسرے جہان کی۔

انسان کے لئے عبادت کی ضرورت پڑتا ہے کیونکہ جس کام پر اسکی حاجت روائی موقوف ہے وہ کام بھی اسکے لئے ضروری ہے۔

عبادت کے طریقے مختلف قوموں میں مختلف ہیں کوئی اپنے معبود پر پھول خوشبو میں چڑھاتا

سے اُسپر پیش ملتا ہے بخوشی دیتا ہے کوئی اُس کے نام پر کسی جان کو قربان کرتا ہے کوئی اپنے عجز اور تواضع کے نشان اپنے جسم کی حرکات سے ظاہر کرتا ہے کوئی اُس کے نام پر چڑھاووں کو دیتا ہے کوئی اُسکے لئے طرح طرح کی تکلیفیں اپنے جسم کو پہنچاتا ہے اور کے سفر اُس کے لئے برداشت کرتا ہے بعض لوگ تو قربانی کرنے اور تکلیف اٹھانے میں یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ اپنے عزیزوں کی یا خود اپنی جانوں کو قربان کر دیتے ہیں انسانی قربانیاں بعض مذہبوں میں پہلے زمانہ میں کی جاتی تھیں بلکہ اب بھی ہندوستان میں اولاد کو گنگا کی نذر کر دینا اور جگن ناتھ جی کے رتھ کے پہیے کے نیچے آکر مرجانا باعث نجات خیال کرتے ہیں اور زمین پر سونا ننگے پاؤں سفر کرنا غذا کی یہاں تک کمی کرنی کہ بعض اوقات بھوک پیاس سے مرجانا نفسانی خواہشوں کو بالکل بند کر دینا۔ مجرد زندگی بسر کرنی۔ کسی عضو کو سست یا بیکار کر دینا یا کسی عضو کو کاٹ ڈالنا بھی عبادت میں شمار کیا جاتا ہے زبان سے محبوب اور معبود کے نام کو بار بار یاد کرنا اُس کی تعریف کرنا اور دل میں اُسی کا تصور کرنا اور اُسی سے دعا مانگنا غرض ایسے ایسے طریقے عبادت کے جہان میں موجود ہیں مگر ان تمام باتوں سے اصلی مقصود اظہار محبت و تعظیم ہے۔

ذرا زیادہ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت میں ہی عبادت کی ضرورت ڈالی گئی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں اگر کسی انسان سے محبت ہو جاتی ہے تو طبیعت خود بخود اُسکی خدمت اور خوشامد میں اپنے اوپر تکلیف گوارا کرنے کو راحت خیال کرتی ہے۔ ایک ہندو بزرگ کا قصہ مشہور ہے کہ اُس نے ایک مرتبہ اپنی محبوبہ کے جسم کو سیر ہو کر دیکھا اور پھر اپنی دونوں آنکھوں کو نابینا کر دیا سمجھتا کہ وہ مدت العمر میں کسی اور کے چہرہ کو نہ دیکھے۔ اور ایک عیسائی میں نے لاہور میں دیکھا ہے جو اپنی محبوبہ سے بیاہ کرنے پر قادر نہ ہو سکا تو اُس نے قسم کھائی کہ تمام عمر بیاہ نہ کروں گا۔ غرض یہ دنیاوی فانی محبت کے جذبہ کا ایسا اثر ہوتا ہے تو خیال کرنا چاہیئے کہ دائمی محبت کی خاطر اگر اُسکو کامل محبت ہو تو کیا کچھ نہیں کر سکتا اور جس انسان کو کوئی شخص اپنا حاکم با اختیار خیال کرے تو اُس کی تعظیم میں بھی تکلیف اور صرف کرنے کو اپنی بہبودی کا موجب سمجھتا ہے اور اس لئے خوشی سے برداشت کرتا ہے اور جسکو کوئی شخص اپنا بہت بڑا محسن اور نیز حاکم اور بُرا بھلا کرنے پر قادر خیال کرے تو اُس کے لئے محبت اور تعظیم کے نشان

شکر اور خوشی کے ساتھ ظاہر کرنے کو اس کا دل چاہتا ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ سب سے بڑا محسن سب سے بڑا حاکم سب سے بڑا قادر تمام امیدوں کا ملجا اور تمام قوتوں کا مبدا ہے تو اس سے بڑھ کر انسان کی فطری عقل میں عبادت کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟

لیکن صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ عبادت سے صرف ایک طبعی جذبہ کا پورا کرنا مقصود ہے بلکہ حقیقت میں عبادت کرنے سے معبود کے ساتھ ایسا قرب حاصل ہوتا جاتا ہے کہ وہ ایک فطری حاجت کو جو دائمی زندگی اور خوشی کے نام سے تعبیر کیجاتی ہے حاصل کرنے کا موجب ہوتا ہے تب ہی تو عبادت کی حاجت سب انسانوں کی فطرت میں پائی جاتی ہے مگر انسان کی عقل اور فطرت اس حاجت کو مناسب طریق سے اور مناسب حد پر چلکر پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی اسلئے اس کام میں بھی کسی فاطر فطرت کی ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ افراط اور تفریط نہ ہونے پائے اور مقصد بھی حاصل ہو جاوے۔

ایمان درخت ہے اور عبادت اس کا پھل ہے بغیر درخت کے پھل کا وجود نہیں ہو سکتا اور بغیر پھل کے درخت بیکار رہتا ہے اسلئے ہر ایک مذہب ایمان کے ساتھ عبادت کی تعلیم ضرور کرتا ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ قرآن نے کیا عمدہ طریق عبادت کا تعلیم کیا ہے کہ جسمیں وہ تمام فطری طریق جو اوپر بیان کیے گئے ہیں داخل ہو گئے اور ہر ایک افراط اور تفریط کو منع کر دیا نہ انسانی قربانی کو جائز رکھا نہ کسی عضو کے بیکار کرنے کی اجازت دی نہ رہبانیت اور حد سے زیادہ نفس کشی سکھلائی۔ مگر پھر بھی کسی طریق عبادت کو نہیں چھوڑا۔

قرآن میں چار عبادتیں لازمی ٹھہرائی گئی ہیں ایک نماز دوسری روزہ تیسری زکوٰۃ چوتھا حج علاوہ فواید مذکورہ کے جو متعلق عبادت سے حاصل ہوتے ہیں ہر ایک طریق عبادت اپنے ظاہری اور علیحدہ فواید بھی رکھتا ہے

نمازیں جو پانچ وقت یا تین وقت روز مرہ [illegible] طہارت جسم

شرط کرتی ہے اسکے بعد قیام رکوع سجود جسمانی اوضاع ہیں جو غایت درجہ کا عجز اور
ذلت ظاہر کرتے ہیں اور ان تمام ارکانوں میں خدا کی تعریف اور اپنے لیئے عاجزانہ
سے کیجاتی ہے اور کسیقدر قرآن کا پڑھنا ضروری مقرر کیا گیا ہے کیونکہ قرآن سے
بہتر اور کوئی اوسکی سچی تعریف نہیں کرسکتا اور علاوہ تعریف کے اور دین کی باتوں کی
اوس میں تعلیم ہے جنکو عبادت کی حالت میں پڑھنے سے زیادہ اثر ہوتا ہے اگر کوئی
شخص بغیر سمجھے معنے کے ہی پڑھے تب ہی یہ اعتقاد کہ میں خدا کی عبادت میں
خدا کی کلام پڑھ رہا ہوں کچھ نہ کچھ اثر کرتا ہے مگر اصلی غرض نماز کی جب ہی حاصل ہوتی
ہے جب سمجھکر پڑہی جاوے چنانچہ قرآن شریف میں ایک جگہ اسطرح فرمایا گیا ہے
کہ اے ایمان والو نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشے کیحالت میں ہو یہانتک کہ
سمجھو جو کچھ بولتے ہو۔ اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ نماز میں قرآن کو سمجھکر
پڑھنا ضروری ہے۔

اور کئی مرتبہ خدا کی حضور میں حاضر ہونا اور اوسکو معہ اوسکی صفات
کے یاد کرنا انسان کی روح کے لیئے قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے اور نیز پھر
کسی وقت اوسکی یاد دل سے نہیں بھولتی اسلیئے وہ غفلت جسکے باعث گناہ زیادہ
ہوتے ہیں ورنکی نہیں ہوسکتی اکثر دور ہوجاتی ہے محبت الٰہی بڑھتی جاتی ہے
اور دنیا کی محبت کم ہوتی جاتی ہے یہی امور اطاعت ابدی کے لیئے ضروری ہیں
اسلیئے خدا تعالے نے فرمایا ہے کہ نماز بیگناہ اور نافرمانی سے روکتی ہے نماز میں
جسمانی طہارت کی شرط اسواسطے لگائی ہے کہ اس دنیا میں جسم اور روح کا ایسا تعلق
اور ارتباط ہے کہ ایک کا اثر دوسرے پر ضرور ہوتا ہے چنانچہ یہ بات تو مشاہدہ سے
ظاہر ہے کہ دماغی بیماریوں میں روحانی قوتیں بھی مختل ہوجاتے ہیں اور روحانی حالتیں
رنج غم فکر وغیرہ جسم کو لاغر کردیتی ہیں جسم کے بغیر روح کچھ نہیں کرسکتی اور روح بغیر
جسم بیکار ہے اسلیئے جب خدا کے حضور میں عبادت کے لیئے حاضر ہونا ہو تو ضرور ہے
کہ روح بد خیالات اور بری آلودگیوں سے پاک ہو لیکن روح اور جسم کے باہمی تعلق

شعور رکھنے کے باعث ضروری ہوا کہ جسم جسمانی آلودگیوں سے پاک ہو تاکہ اوسکی صفائی کا اثر روح کی صفائی کو مدد دیوے اور نیز نماز مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق خدا کے حضور میں حاضر ہونے کا موقع ہے جسمیں انسان دل کھولکر اپنی محبت اور تعظیم کا اظہار کرنا چاہتا ہے اور چونکہ ایسے موقعہ پر دنیاوی حاکم کے سامنے انسان کم سے کم اپنے ظاہر کو تو خوب درست کرکے جاتا ہے اور بڑے ادب کا لحاظ کرتا ہے ہر ایک ظاہری عیب نقص اور ناپاکی سے اپنے آپکو صاف کرکے اوسکے حضور میں جاتا ہے تو احکم الحاکمین کے روبرو جانے کے لئے تو ظاہری اور باطنی دونوں صفائیاں ضروری ہیں۔

اگر کسیکو یہ خیال ہو کہ نماز کا جو فائدہ بیان کیا گیا ہے وہ بہت نمازیوں میں نہیں پایا جاتا یعنی خدا کا خوف گناہ سے نفرت نیکی کی رغبت دنیاوی محبت کی قلت وغیرہ سب نماز پڑھنے والوں کی صفتیں نہیں ہیں یہ بات سچ ہے لیکن اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ نماز اثر کرنے میں ضعیف ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ ایسے لوگ نماز کو نماز سمجھکے جسطرح چاہیئے نہیں پڑھتے۔ صرف رواج پورا کرنے کے لیے یا دکھلاوے کے لئے پڑھتے ہیں سو یہ نقص نماز کا نہیں ہے بلکہ نماز کو ٹھیک طور سے نہ پڑھنے کے باعث ہے۔ ایسا ہی حال دنیاوی معاملوں کا ہے مثلاً غذا انسان کی صحت اور حیات قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے مگر جو لوگ غذا کو نامناسب طرح سے استعمال کرتے ہیں تو وہی غذا انکے لئے مرض اور موت کا باعث ہو جاتی ہے۔ مگر ممکن نہیں کہ جو شخص نماز خالص نیت سے اور سمجھکر پڑھے اوس کو نماز کا اثر نہ ہو۔

دوسری عبادت روزہ ہے جس میں اسکا بڑا فائدہ جو عام عبادت سے مقصود ہے اوپر بیان کیا گیا ہے مگر اوسکے خاص فوائد جو اوسی میں ہیں وہ یہ ہیں کہ انسان کو چاہیئے کہ خدا کا پورا پورا مطیع ہو اپنے تمام جذبات اور شہوات کو اوسکی مرضی کا فرمانبردار کر دیوے چونکہ اور جذبات اور شہوات کے وقت مقرر نہیں ہوتے اسواسطے انکے ضبط اور اصلاح کرنے کی عام طور پر تعلیم دیگئی ہے لیکن کھانے پینے کے اوقات روز مقرر ہوتے ہیں اسواسطے

ان حاجتوں کو ضبط کرنے کی عادت ڈالنے کے لیے سال میں ایک ایسا مہینہ مقرر کر دیا
گیا ہے کہ اوسمیں خلاف معمولی عادت کے روزانہ ایک وقت مقرر تک اونکو ضبط کیا جایا کرتا
اور نیز عموماً انسان کھانے پینے میں ہمیشہ اعتدال کو ملحوظ نہیں رکھتا جس سے نفسانی
جذبات اوسکے غالب ہو جاتے ہیں اور جسمانی صحت بھی درست نہیں رہتی تو سال میں
ایک مہینے کے لیے ایسا پرہیز کرنا ان دونوں خرابیوں کی اصلاح کا باعث ہو جاتا ہے
چنانچہ ایک عیسائی عالم کی بھی یہہ رائے ہے کہ ہمیشہ سیر ہو کر کھانے پینے سے جو بدن
کی رگیں اور دوسری منافذ تنگ رہتی ہیں اگر ہمیشہ اس حالت پر رہیں تو انکی لچک کی طاقت
جاتی رہتی ہے جس سے عام ضعف جسمانی اور بہت قسم کی بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ
ہو اسلیے بنظر تقدم بالحفظ سال میں کچھہ مدت روزہ رکھنا چاہیے تاکہ رگیں وغیرہ اس
عرصہ تناؤ سے خالی رہکر پھر طاقت پکڑ جایا کریں مگر یہہ فایدہ روزہ کا طبعی ہے. اور یہہ
خدا کی رحمت ہے کہ اوس نے عبادتیں اوس طرح کی مقرر کی ہیں جو علاوہ مذہبی فوائد کے
دنیاوی فوائد بھی رکھتی ہیں۔ ورنہ اصلی غرض روزے کی وہ ہے جو اوپر بیان
کی گئی ہے۔

تیسری عبادت جو زکوۃ ہے اوس سے اول تو وہی فایدہ ہوتا ہے
جو تمام عبادتوں سے منظور ہے علاوہ اسکے قرآن میں زکوۃ کے اخراجات کے جو مصرف وہ
بیان کیے گئے ہیں جن سے ہمدردی کیجائے اور انتظام معاشرت اور مملکت کا بخوبی چل سکے
مثلاً مسافروں یتیموں محتاجوں کو مدد دینا غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا رفاہ عام کے کاموں میں
صرف کرنا اور انتظام معاشرت کی اور ملکی خدمت کرنے والوں کو اوسمیں سے تنخواہ دینی علاوہ
زکوۃ کے اور صدقہ جسقدر کوئی چاہے دیوے اسکی بھی قرآن میں ترغیب دیگئی
ہے مگر فرض نہیں ہے

چوتھی عبادت حج ہے جسکا ادا کرنا ہر ایک مسلمان صاحب وسعت پر عمر میں
ایک مرتبہ فرض ہے اسمیں بھی عام عبادت کے فایدہ کے سوا اور بہت بڑے بڑے فوائد
ہیں اسلیے ایک تو یہہ ہے کہ جہاں سے اسلام کی ابتدا ہوئی اور جہاں پیغمبر اسلام کی

شروع کی یادگاریں موجود ہیں اور تاقیام اسلام موجود رہینگی وہاں قصد کر کے جانے سے اور اُن اسلامی یادگاروں کی زیارت کرنے سے اور بانیٔ اسلام کی مولد اور مسکن کے شہر میں جانے سے اور اس بات پر غور کرنے سے کہ ایک مرتبہ یہاں تمام جہان سے بڑھکر تاریکی اور جہالت چھائی ہوئی تھی پھر کسطرح سے خدا تعالےٰ نے اپنی رحمت کے جوش سے تمام نور اور علم کا منبع اسی جگہہ پیدا کر دیا جس سے تمام جہان کو فیض ہوا یہہ سب خیالات مسلمانوں کے دین و ایمان کو ایسا تازہ کر دیتے ہیں کہ مدت تک اونکا اثر رہتا ہے۔ اور دوسری اسلام کی مرکز میں ہر سال لاکھوں مسلمانوں کا مختلف ملکوں سے آکر جمع ہونا اسلامی اتحاد اور اتفاق کو بڑھاتا ہے۔ وہاں جا کر مختلف قومیں ایک دوسری کے حالات سے واقف ہوتی رہتی ہیں اسلیے اُن تمام میں اتحاد مذہبی قائم رہتا ہے جو کچھ زمانے کے اثر سے مسلمانوں کے حالات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے وہاں جا کر اسکی اصلاح ہو جاتی ہے اور جو لوگ وہاں سے واپس آکر اپنے ملک میں اسجگہہ کے حالات سناتے ہیں اور دوسرے ملکوں کی قومیں جو وہاں جمع ہوئی تھیں اونکے حالات بتلاتی ہیں تو اس تعلق باہمی سے وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جو آج دنیا میں چھاپہ اور ڈاک تار برقی ریل وغیرہ سے تمدنی اور علمی ترقی کو مدد دیتی ہیں چونکہ چین کے مسلمانوں میں حج کا رواج کم ہے اور اگرچہ وہاں لاکھوں مسلمان آج موجود ہیں لیکن اونکی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ اگر دنیا میں سے کہیں کا مسلمان اونکو دیکھے تو اونکو مسلمان نہ سمجھے۔ اونکی قومی رواج و رسوم بلکہ عبادات کے طریقے بھی تمام دنیا کے مسلمانوں سے تفاوت ہو گیا ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ مرکز اسلام میں ہر سال وہاں سے مسلمان نہیں جاتے جہاں سے اتحاد قومی نکلتا ہے۔ اسلیے زمانے کے معمولی تغیرات کے باعث انکے مذہبی حالات میں تغیر ہو گیا ہے۔

یہہ چاروں طریق عبادت کے ایسے مہذب اور شائستہ اور مفید ہیں کہ جنکی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں مل سکتی۔ اگرچہ ہمارے تمام اسلام میں بھی مختلف فرقے پیدا ہو گئے ہیں لیکن سوائے سنی شیعہ اور خارجی کے اور کسی فرقہ کے نام کے سوا کچھ باقی نہیں ہے اور اصول اسلام میں یہہ تینوں فرقے بھی مختلف نہیں ہیں صرف صحابہ کے زمانہ میں جو کچھ اختیر

ہو سکتیں انکی بنا پر شیعہ و خارجی فروعات میں مختلف ہو گئے ہیں ورنہ ایمان اور باقی
ارکان اسلام یعنی چاروں عبادتیں سب میں یکساں موجود ہیں اور حنفی شافعی وغیرہ کا تو کچھ
اختلاف نہیں ہے نہ کوئی ایسا ہے کہ ایک دوسرے کو برا جانتا ہے ۔

بت پرستی کو قرآن نے بڑی معقول دلائل سے روکا ہے اور اس گناہ کی سزا
بڑی سخت بتلائی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ خدا جس گناہ کو چاہیگا بخشیگا مگر شرک کو کبھی
نہیں بخشیگا اور ایک جگہ فرمایا ہے ۔ آیا خدا کا شریک بناتے ہیں وہ لوگ ان چیزوں کو
جو کچھ پیدا نہیں کرتیں اور وہ خود پیدا کیگئی ہیں نہ وہ انکو جنہیں اپنے عابد انکو مدد دیسکتی
ہیں اور نہ اپنے نفس کو مدد دیسکتی ہیں اور اگر تم انکو بلاؤ راہ کیطرف تو کچھ نہ سمجھے جاویں
تمہارے خواہ تم انکو بلاؤ یا خاموش رہو بیشک جنکو تم بلاتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے
ہیں تمہارے مانند پکارو دیکھو انکو تاکہ جواب دیں وہ تمکو اگر تم سچے ہو کیا انکے پاؤں ہیں
جنسے وہ چلتے ہیں یا انکے ہاتھ ہیں جنسے وہ پکڑتے ہیں یا انکی آنکھیں ہیں جنسے وہ دیکھتے
ہیں یا انکے کان ہیں جنسے وہ سنتے ہیں کہدے اے محمد کہ بلاؤ اپنے بناوٹی شریکوں کو کہ ضرر
پہنچاویں مجھکو اور مجھکو مہلت مت دو ۔

ان آیتوں میں یہہ بات سمجھائی ہے کہ مشرک جنکی عبادت کرتے ہیں انمیں
تو کچھ طاقت نہیں رکھتے خود بندے ہیں تو پھر انکی عبادت کب درست ہوسکتی ہے ۔

چونکہ شرک بہت بڑا اور ظاہر گناہ ہے کہ کوئی عقلمند بھی اوسکو جائز نہیں کہہ سکتا
اسلیئے جو لوگ مذہب کی تقلید کے باعث اس گناہ کی حمایت کرتے ہیں وہ یہہ جواب دیتے ہیں
کہ ہم بتوں کو یا کسی مخلوق کو نہیں پوجتے بلکہ تمام مخلوقات میں خدا کا نور ظاہر ہو رہا ہے اسلیئے
کسی چیز کو سامنے رکھکر اوسی خدا کی عبادت کرتے ہیں جسکی قدرت اوسمیں نمایاں ہوتی ہے اور
اس شے کو سامنے رکھنے سے صرف یہہ فائدہ ہوتا ہے کہ عابد کا دل اوسوقت منتشر نہیں ہوتا
بلکہ ایک محسوس شے پر خیال اچھا جمتا ہے تو اوسکے واسطہ سے اصلی خدا کی عبادت کرتے
ہیں لیکن یہہ جواب صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اول تو اسی مخلوق کے نام پر روزہ بھی رکھتے
ہیں اوسی کے نام پر خیرات کرتے ہیں حالانکہ ان عبادتوں کیوقت خاطر جمع کرنیکے لیئے

اونکو سامنے نہیں رکھتے۔ علاوہ اسکے اونکے اعتقاد کے موافق خدا کی سلطنت دیوتاؤں میں تقسیم ہوگئی ہوئی ہے پھر دیوتاؤں کی تصویر سامنے رکھکر خدا کی عبادت کا بہانہ عبث ہے اور نیز خدا کی عبادت میں ہمارا بڑا مقصد یہہ ہوتا ہے اور سب کا ہونا چاہیے کہ اوس ذات بسیط بیحد کا ہم اون صفات حسنا کے عبادت کریں تاکہ ہماری روح کو اوس سے قرب حاصل ہو۔ اور جب اونکو اونکے سامنے ایک تصویر کو رکھکر اوسپر دل جماکر عبادت کی تو ظاہر ہے کہ تصویر محدود ہے جسمانی ہے حادث ہے وہ تو ہمارے خیال کو اور زیادہ پستی کیطرف لائیگی۔ جتنا زیادہ ہم اپنے دلکو محدود چیزوں میں لگائیں گے اوسیقدر روح کو تاریکی حاصل ہوگی۔

بعض لوگ یہہ جواب دیتے ہیں کہ مسلمان جو اللہ کا نام لیکر عبادت کرتے ہیں تو لفظ اللہ بھی محدود ہے اور صرف اپنے مسمی کی ایک علامت ہے اگر کسی تصویر کو اوسکی علامت مقرر کرکے عبادت کرلی تو اللہ کی عبادت اور تصویر کی عبادت میں کیا فرق ہوا لیکن یہہ قیاس مع الفارق ہے۔ اول تو کوئی مسلمان لفظ اللہ کا تصور باندھکر اوسکی عبادت نہیں کرتا دوسرے الفاظ محدود اور غیر محدود بلکہ معدوم کے لیے بھی استعمال کیے جاتے ہیں اگر لفظونکو اپنے معانی کی علامت کہو تو یہہ علامت ایسی ہوتی ہے کہ مماثلت کا لحاظ اسمیں بالکل نہیں ہوتا اور دعائیں یا خدا کی تعریف میں جو شخص الفاظ استعمال کرتا ہے وہ اسطرح سے استعمال کرتا ہے جیسے اپنے جسم کی حرکات سکنات کو استعمال کرتا ہے اسکا جسم بھی محدود ہے اور اسکے الفاظ بھی محدود ہیں جو عبادت کرنے میں کارآمد ہوتے ہیں خود اونکی عبادت نہیں کیجاتی۔ اگر کوئی شخص لفظ اللہ کا لکھکر سامنے رکھکر عبادت کرے تو بیشک وہ اعتراض اوسپر آسکتا ہے مگر ایسا کوئی مسلمان نہیں کرتا بخلاف اسکے تصویر عین شبیہ اصل کے ساتھہ مماثلت کا خیال ہوتا ہے تصویر کو دیکھکر یہی خیال پیدا ہوگا کہ جسکی تصویر ہے اوسکی شکل ایسی ہی ہے اور ہر تصویر کے ساتھہ وہ معاملہ کیا جاتا ہے جو معبود کے ساتھہ کرنا چاہیے تھا حالانکہ لفظ اللہ کی ساتھہ کوئی اسطرح سے نہیں کرتا اور عبادت تو اسلیے کرتے ہیں کہ دنیاوی حدود اور صفت سے روح کو تجرد حاصل ہو مگر تصویر کا ایسے وقت میں سامنے رکھنا اور اوسپر دھیان لگانا اصلی مقصود کو تباہ کر دیتا ہے۔

بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسلمان جو کعبہ کیطرف کو نماز پڑھتے ہیں یہہ بھی ایک طرح کی بت پرستی ہے. لیکن یہہ اعتراض اوسوقت صحیح ہو کہ جب کوئی کعبہ کو معبود یا معبود کا مظہر خیال کرے یا اوسمیں کسیطرح کی قدرت یا کوئی معبودیت کا حصہ مانے یا نماز میں اوسکے تصور کو لازمی جانے یا اوس میں کسی مخلوق کی تصویر رکھے بیہودہ وہ صرف ایک مسجد ہے جو اول اول خدا کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے چونکہ اوسکے بانی نے اوس ملک میں توحید کے مذہب کی بنا ڈالی تھی اور وہی توحید اسلام نے سکھلائی تھی اسلئے پہلے مسلم کی مسجد کو یادگار کے طور پر نماز کی سمت مقرر کیا ہے اور دوسرے تمام مسلمانوں میں اتحاد رکھنے کی غرض سے اونکی عبادت کی سمت بھی ایکجا مقرر کرنی چاہئے تھی اسواسطے اس سمت کو جو مسجد مقرر کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ورنہ اگر جو سمت مقرر کیجاتی اوسپر بھی مخالف یہہ اعتراض کر سکتا تھا کہ اس سمت کی عبادت کیجاتی ہے مگر اصل بات یہی ہے کہ مسلمانوں کی نماز کیصورت ایسی ہے کہ اوسکے لیے کسی نہ کسی سمت کا مقرر کرنا ضرور ہے اسلیئے ایک پرانی مسجد کو جو پرانے زمانے میں خالص خدا کی عبادت کیواسطے بنائی گئی تھی اس مطلب کیلیے مقرر کرنے سے اوسکی پرستش لازم نہیں آتی. جیسے کوئی مسجد جو عبادت کے لیے بنائی جاتی ہے اوسمیں عبادت کرنے سے اوسکی پرستش لازم نہیں آتی البتہ عبادت کیوقت کعبہ پر دل جمانا یا اوسکا تصور باندھنا ضروری ہوتا تو بیشک اوسکی پرستش کا خیال ہو سکتا تھا اور بتونکی پرستش کرنے والے تو صاف اقرار کرتے ہیں کہ ہم ان دیوتاؤنکی پرستش کرتے ہیں اور اوسکے لیے یہہ تاویل صحیح نہیں البتہ اگر کوئی مسلمان کہے کہ میں کعبہ کی پرستش کرتا ہوں تو بیشک وہ مشرک ہے. مسلمان اگر کہیں ایسی جگہہ نماز پڑھتا ہو جہاں سامنے سے آدمیونکی آمد رفت ہو تو وہ اپنے سامنے ایک پردہ کھڑا کر لیا کرتا ہے تو مقصد اوسکے سامنے کھڑا کرنے سے یہہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہہ اوس پردہ کی عبادت کرتا ہے. بڑی حکمت تو قبلہ کے مقرر کرنے میں یہہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو تمام اہل اسلام میں سمت نماز میں بھی اتفاق رہے اور دوسرے پہلی مسجد جو ایک بڑے نبی نے خدا کی عبادت کیواسطے بنائی ہے وہ اصلی مسجد مانی جائے اور سب مسجدیں اسکی نقل سمجھی جائیں

تاکہ اسکی پہلی مسجد کی یادگار ہمیشہ مسلمانوں کے دین میں تازہ رہے تاکہ وہ تاریخی یادگار بھی انکے عقاید درست رکھنے میں مدد دیتی ہے۔

تیسرا اصول مذہب کا ارتکاب گناہ سے روکتا ہے اور چوتھا اصول نیک کاری سکھلاتا یا نیکی کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہہ دونوں اصول جس کامل اور واضح طریق سے قرآن میں سکھلائے گئے ہیں اوسکی نظیر بھی کسی دوسری الہامی کتاب میں ملنی ناممکن ہے اگرچہاں پر مجھکو قرآن کے اون احکام کا لحاظ ہوتا جہاں فرمایا گیا ہے کہ احسن طریق سے بحث کرو اور نیک بات لوگوں سے کہو اور بری بات کسیکی نسبت زبان سے نہ نکالو۔ تو میں عام قاعدہ مناظرہ کے موافق پہلے دوسری الہامی کتابوں کے نقص اور اون کے ملہمین کے نقص بیان کرکے قرآن کا اونسے مقابلہ کرتا۔

پہلی الہامی کتابیں اور اونکے ملہمین کے نقص سے یہہ مراد نہیں ہے کہ معاذ اللہ وہ کتابیں اور وہ بزرگ طعن کے قابل ہیں بلکہ قرآن شریف اور رسول عربی کے مقابلہ میں اونکی تعلیم کامل نہیں ہے۔ مگر اپنے اپنے زمانہ میں وہ سب کتابیں اور انکے ملہمین کامل تھے اور سب خدا کیطرف سے بھیجے ہوئے تھے اسلیے عام طور پر ہمکو اون میں سے کسی میں تفاوت کرنا نہیں چاہیے۔

لیکن احسن طریق یہی ہے کہ اپنے دعوی کو بغیر کسی پر اعتراض کرنے کے ثابت کردیا جاوے گو اسکا پورا التزام بحث کے موقع پر مشکل ہے۔ مگر جہانتک ہو سکے اچھا ہے اسلیے میں صرف اصول بالا کی کامل تعلیم کا قرآن میں ثبوت دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ منصف طالب حق خود اسکا دوسری کتابوں سے مقابلہ کرکے نتیجہ نکال لیگا کہ کس کتاب کی تعلیم اعلے درجہ کی ہے۔ اس موقع پر قرآن کی اون آیتوں کا پورا ترجمہ کرنا جو گناہ سے روکتی ہیں اور نیک کاری سکھاتی ہیں گنجایش نہیں رکھتا۔ اسلیے صرف چند آیات کا ترجمہ اور چند آیات کا خلاصہ نمونے کے طور پر لکھکر یہہ بات دکھائی جاتی ہے کہ قرآن کی اخلاقی تعلیم بھی نہایت اعلے درجہ کی اور کامل ہے۔

بت پرستی کی پلیدی سے اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو اپنے معاہدہ

پورا کیا کرو۔ خدا کے ساتھ شرک مت کرو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کیا کرو کسی نفس کو
قتل مت کیا کرو۔ اولاد کو قتل مت کیا کرو۔ ظاہری اور باطنی بےحیائی کی باتوں کے قریب
مت جایا کرو۔ کسی نفس کو قتل مت کیا کرو جسکو خدا نے حرام کیا ہے سوائے اوس صورت کے
جہاں اوس کا قتل کرنا حق ہے۔ یتیموں کے مال کے قریب مت جایا کرو۔ مگر کسی بھلائی کی غرض
سے جب تک وہ جوان نہ ہو جائیں۔ پیمانہ اور میزان کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔
اور جب بات کہو انصاف سے سچ کہا کرو۔ اگرچہ کسی قریبی کے خلاف ہو۔ اور خدا سے جو
تم نے وعدہ عبودیت کا کیا ہے اوسکو پورا کرو۔ خدا کے ساتھ دوسرا معبود مت بناؤ۔
خدا نے حکم دیا ہے کہ سوائے اوسکے دوسرے کی عبادت مت کرو۔ والدین کے ساتھ
بھلائی کرو۔ اگر ایک یا دو اون میں سے ضعیف ہو جاویں تیرے سامنے تو اونکی نسبت
کراہت کا لفظ مت بول۔ اور اونکو مت جھڑک۔ بلکہ اونسے ادب کی بات کیا کر اور اونکے
سامنے عاجزی کیا کر رحم سے۔ اور خدا سے دعا کر کہ اے خدا تو اونپر رحم کر جیسے اونھوں نے مجھکو
صغیر سنی کی حالت میں پرورش کیا تھا۔ قریبیوں، مسافروں اور مسکینوں کو اونکا حق دے
لیکن فضول خرچی مت کر۔ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں۔ اور اگر تیرے پاس
اوس وقت دینے کو کچھ نہیں ہے۔ اور پھر تجھکو امید ہے کہ مل جائے گا تو اوس وقت اونکو
نرمی سے جواب دے اور نہ بخیلی کر اور نہ اسراف کر ورنہ تجھکو ملامت ہوگی اور تو بے بس
ہو جائے گا۔ زنا کے قریب مت جا کہ وہ بےحیائی اور بری راہ ہے۔ اور جس بات کا تجھکو
علم نہیں ہے اوسکے پیچھے مت لگ۔ بیشک کان اور آنکھ اور دل سب سے سوال کیا جائے
گا۔ زمین پر سختی سے مت چل کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑ کی برابر بلند
ہو سکتا ہے۔ یہہ سب باتیں بری ہیں اور خدا کی نظر میں مکروہ ہیں۔ بے شک خلاصی پاتے
ہیں ایمان والے جو اپنی نمازیں عاجزی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور لغو کاموں سے پرہیز کرتے
ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اپنے پردے کے اعضا کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوا اپنی زوج
اور مملوکہ کے کہ اونکو کچھ ملامت نہیں ہے جو اسکے سوا چاہیں وہ حد سے گذرنے والے
ہیں۔ اور خلاصی پاتے ہیں وہ لوگ جو امانت اور عہد کی رعایت رکھتے ہیں اور نمازوں کی

حفاظت کرتے ہیں۔ یہی وارث ہیں جو بہشت کا ورثہ پائیں گے۔ اور اوسمیں ہمیشہ رہیں گے۔
اے ایمان والو کسی قوم کی دشمنی تمسے بے انصافی نہ کرا دیوے۔ انصاف کیا کر وہی پرہیزگاری
کے قریب ہے۔ رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب کوئی جاہل
اونسے بات کرے تو سلامتی کا جواب دیتے ہیں۔ اور جو لوگ جھوٹے کاموں میں شامل
نہیں ہوتے اور لغو کاموں کے پاس گذریں تو ثقاہت سے گذرتے ہیں۔ خدا کا شکر کر۔
لوگوں کو نیکی سکھلا بدی سے منع کر۔ اور جو تجھکو تکلیف پہنچا کرے اوسپر صبر کیا کر۔ یہہ بڑی
ہمت کا کام ہے۔ لوگوں کے سامنے مغرور چہرہ نہ بنایا کرو اور نہ زمین پر سختی سے چلا کر۔
بے شک اللہ سختی کرنے والے اور مغرور کو دوست نہیں رکھتا۔ اور اپنی چال چلن میں
میانہ روی اختیار کر۔ اور اپنی آواز کو نرم کر سب آوازوں میں سے گدہے کی آواز بہت
بد معلوم ہوا کرتی ہے۔ بھلائی اور برائی برابر نہیں ہے۔ برائی کا بھلائی سے بدلا
دیا کر۔ ایسا کرنے سے جو تمہارا دشمن ہے وہ بھی قریبی دوست کے موافق ہو جائے گا۔
اور یہہ خصلت اونکو ملتی ہے جو عمل کرتے ہیں اور اونکو ملتی ہے جو بڑی قسمت والے
ہیں۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے۔ یہہ دنیا کی چند روزہ متاع ہے اور جو اللہ کے پاس
ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے اون لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور خدا پر
توکل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ بڑے گناہوں سے اور بیحیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ
آتا ہے تو معاف کرتے ہیں اور جو خدا کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور نماز پڑہتے ہیں اور باہم
مشورہ کرکے کام کرتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اوسمیں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ
کہ جب اونپر ظلم ہو تو انتقام لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہے۔ پس جو شخص
معاف کرے اور صلح کرے اوسکا بدلہ اللہ پر ہے۔ اور جو شخص صبر کرے اور بخشے بیشک
یہہ بڑا کام ہے۔ جب دو گروہ مومنوں کے لڑیں تو اونمیں صلح کرا دو۔ اور اگر ایک اونمیں سے
ظلم کرے دوسرے پر تو اوس سے لڑائی کرو جو ظلم کرتا ہے یہانتک کہ وہ رجوع کرے خدا کے
حکم کیطرف۔ اگر وہ رجوع کرے تو اونمیں صلح کرا دو انصاف کے ساتھہ اور انصاف کرو۔ بیشک
اللہ منصفونکو دوست رکھتا ہے۔ بیشک مومن بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں صلح

کرادیا کرو اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ اے ایمان والو جو ایمان لائے ہو کوئی
مرد کسی مردوں سے تمسخر نہ کرے شاید کہ وہ اونسے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے
شاید کہ وہ اون سے بہتر ہوں اور نہ ایک دوسرے کو طعن مت کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو
برے القاب سے مت بلایا کرو۔ ایمان کے بعد برائی کے نام رکھنے بری بات ہے۔
اور جو لوگ ان باتوں سے توبہ نہ کریں گے وہ ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔
بہت ظن نہ کیا کرو بعض ظن گناہ ہوتا ہے۔ اور کوئی کسیکی غیبت نہ کیا کرے۔ کیا کوئی
چاہتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ پس کراہت کرو اس سے اور ڈرو اللہ
سے تحقیق اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان۔ انسان کیوں نہ دشوار گذار گھاٹی میں
داخل ہوا۔ تجھکو معلوم ہوا دشوار گذار گھاٹی کیا ہے۔ غلام کا آزاد کرنا ہے یا قریبی یتیم
کو فاقہ کے دن کی سختی میں کھانا کھلانا ہے یا مصیبت زدہ مسکین کو کھانا کھلانا ہے پھر ایمان
والوں سے ہو جانا اور صبر کرنے اور رحم کرنے کی نصیحت کرنا یہ لوگ خوش قسمت ہیں۔ صرف
شرق یا غرب کیطرف منہ پھیر لینے میں بھلائی نہیں ہے لیکن بھلائی یہ ہے کہ اللہ
پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لاؤ۔ اور خدا کی راہ پر یتیموں
قریبی اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کے آزاد کرانے میں مال خرچ
کرو۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اپنے عہد کو جب کرلو تو پورا کرو۔ اور سختی اور جنگ
ومصیبت میں صبر کرو۔ یہ لوگ سچے ہیں اور پرہیزگار ہیں۔ آپسمیں ایک دوسرے کا مال ناجائز
طریق پر نہ کھایا کرو اور اونکو حکام تک نہ پہنچایا کرو۔ تاکہ اسطرح سے ناجائز طور پر لوگوں کا مال
کھایا کرو حالانکہ تم اوسکی برائی کو جانتے ہو اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کیا کرو بیشک اللہ
دوست رکھتا ہے بھلائی کرنے والوں کو۔ جن لوگوں نے تم سے دین کے باعث لڑائی نہیں کی
اور تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اونکے ساتھ بھلائی اور انصاف کرنے سے اللہ تمکو نہیں
روکتا کیونکہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ہاں جو لوگ تم سے دین کے باعث
لڑے ہیں اور تمکو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے پر مدد دی ہے اونکے
ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تمکو روکتا ہے۔ اور ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے

نہ کرو۔ وہ بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا حد سے گذرنے والوں کو۔ دین میں کچھ زبردستی
نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے جدا ہو چکی۔ اور جو کچھ تجھکو خدا نے دیا ہے اس سے آخرت کی
کی طلب کر اور اپنی دنیا کا حصہ بھی مت بھول اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کر جیسے اللہ نے تیرے
ساتھ بھلائی کی ہے اور دنیا میں فساد مت ڈالنا چاہ بیشک اللہ مفسدوں کو دوست نہیں
رکھتا۔ اور جیسے تمہارا حق عورتوں پر ہے ایسے ہی عورتوں کا حق تمہارے اوپر ہے عورتوں کے
ساتھ نیک برتاؤ کیا کرو۔ بلاؤ لوگوں کو اپنے خدا کے راہ کیطرف عقلمندی اور نیک طریقہ کے
ساتھ وعظ کر کے اور ان سے مناظرہ کر نیک طریق کے ساتھ بیشک رب تیرا جانتا ہے اس
شخص کو جو اسکی راہ سے بہکا ہوا ہے اور وہ جانتا ہے انکو جو ہدایت پر ہے۔ اگر تم بطور
انتقام کسی کو تکلیف دو تو اسی قدر دو جتنی تمکو تکلیف دی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بیشک صبر
کرنیوالوں کے لیے صبر کرنا بہتر ہے اور تو صبر کر اور تیرا صبر اللہ کی مدد سے ہے اور ان پر غم نکر
اور انکی مکاریوں سے تنگ مت ہو بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیزگاری کرتے ہیں
پس خوشخبری دے بندوں میرے کو جو دل سے سنتے ہیں قرآن کو اور پیروی کرتے ہیں اسکے
زیادہ نیک بات کی۔
یہ وہ لوگ ہیں جنکو خدا نے ہدایت کی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔ عادت کر
معاف کرنے کی اور حکم کر نیکی کرنے کا اور کنارہ کیا کر جاہلوں سے یہ لوگ دو مرتبہ بدلا دیئے
جائیں گے اسلیے کہ وہ صبر کرتے ہیں اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں اور جو کچھ ہم نے

۶ قرآن شریف کی تعلیم جو نہایت درجہ کی عام ہے یعنے ہر ایک شخص اور ہر ایک حالت اور ہر ایک موقع کیواسطے اسلیے اسمیں بعض ضرورت کے لحاظ سے ایسے مباح کاموں کی اجازت دیگئی ہے جنکا حکم حالت میں ترک کرنا افضل اور اولی ہے مثلاً مظلوم کو اپنی دادرسی کیلئے اپنے ظالم کی شکایت کرنی اور اس سے انتقام چاہنے کی اجازت تو دیگئی ہے لیکن صبر کرنا بہتر بتلایا گیا ہے۔ اسیطرح اور بعض احکام ہیں اسلیے قرآن میں بہت ہی بہتر کام کرنیکے لیے ترغیب دیگئی ہے تاکہ اباحت کے بہانے سے لوگ ادنی درجہ کے کاموں کو ہمیشہ کیلیے اختیار نہ کرلیں۔

ویاپت ادسمی سے خرچ کرتے ہیں اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اوس سے کنارہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمکو ہمارے عمل اور تمکو تمہارے عمل۔ تو سلام ہے تمپر ہم بے سمجھوں سے ملنا نہیں چاہتے۔

اگرچہ مذہب کے اصول تو وہی چار ہیں جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں لیکن اونکی تفصیل کے درجات مختلف ہیں۔ مثلاً نیکی کرنے کی ترغیب اور گناہ سے ڈرانا سب مذہبوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر بعض مذہبوں میں تو نیکی بدی جو افراد انسان کے تہذیب نفس کے متعلق ہے سکھلائی گئی ہے بعض میں تدبیر منزل اور تدبیر معاشرت کو بھی شامل کیا ہے اور بعض مذہب میں اونکے ساتھ سیاست مدن کے اصول اور قوانین بین الاقوام کی بھی تعلیم کیگئی ہیں۔ ان تعلیمات کے درجات کے مختلف ہونے کی وجہ یہہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ ہر ایک قوم کو قدرت نے اونکی ضرورت کے موافق تعلیم دی ہے اسلیئے جیسی جیسی جس جس قوم کو ضرورت تھی اوسی طرح کا اوسکو مذہب عطا کیا گیا ہے اور ابتدائی زمانوں میں مختلف قوموں کے حالات بہت مختلف تھے اسوجہ سے اونکے مذاہب فروعات میں بہت مختلف ہوتے تھے۔ مثلاً توریت ایک بہت بڑی قوم کو عطا کیگئی تھی جسکی سلطنت علیحدہ قائم ہوئی ہے۔ اور دوسری قوموں سے اونکے معاملات پیش آتے تھے اسلیئے اونکو تعلیم بھی اوس زمانے کے موافق دوسری کتابوں سے بہت بڑھکر اور کامل تھی اسلیئے قرآن نے بھی اوس کتاب کی بہت تعریف کی ہے اور اوسکو نور اور ہدایت بتلایا ہے۔ اگرچہ ایسی تکمیل توریت کی بہت صدیوں میں بہت نبیو نکے الہامات جمع ہو کر ہوئی تھی مگر وہ سب ایک کتاب میں جمع ہو گئی تھی اور ایک ہی قوم کی کتاب کہلاتی تھی۔ اسواسطے اوسکو یہہ درجہ حاصل ہوا تھا۔ جب مسیح علیہ السلام نے اپنی تعلیم شروع کی تو اوس زمانے میں دنیا کی تمام سلطنتوں سے بہتر روم کی سلطنت موجود تھی اسلیئے مسیح کو نہ عیسائیونکی علیحدہ سلطنت قائم کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی نہ اونکو اپنی زندگی میں اس کام کے کرنے کا موقع ملا اسلیئے اونکی کتاب میں سوائے تہذیب اخلاق کے اور کسی قسم کی ہدایت کا ذکر بہت کم ہے صرف عورتوں کی نسبت یہہ فرمایا گیا ہے کہ جسکو خدا نے جوڑا ہے اوسکو آدمی نہ توڑے۔ یا فرمایا کہ مرد زنا کے سوا اور کسی وجہ سے اپنی عورت کو طلاق نہ دیوے

یا ایک حواری کا حکم ہے۔ اے عورتو اپنے شوہروں کی اطاعت کرو۔ اے غلاموں اپنے آقاؤں کی فرمانبرداری کرو۔ یا ایک اور جگہ مسیح نے فرمایا جو خدا کا ہے وہ خدا کو جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو۔ اسطرح کی چند ارشاد تدبیر منزل اور معاشرت اور سیاست کی نسبت تمام انجیلیوں کی تلاش سے ملتے ہیں اس سے زیادہ کچھ قوانین کا پتہ نہیں ملتا۔

لیکن پوری اور کامل ہدایت وہی ہے جسمیں انسان کے تمام تعلقات کے لحاظ سے اوسکو ہدایت دیجاوے اور وہ ہدایت بھی ایسی ہو کہ کسی زمانے یا قوم یا ملک کے ساتھ خصوصیت نہ رکھتی ہو۔ سو یہ صفت سوائے قرآن کے اور کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی مگر افسوس ہے کہ قرآن کی اس کمالیت کو جو بعض ظاہر بینوں نے اور مخالف متعصبوں نے بخوبی نہیں سمجھا تو غلط بحث کرکے قرآن پر کئی طرح کے اعتراض کرنے لگے۔

مثلاً تہذیب اخلاق کے لحاظ سے معافی صبر اور تحمل اعلیٰ درجہ کے فضایل ہیں۔ جنکو قرآن نے بھی بڑے تاکید سے تعلیم کیا ہے۔ مگر سیاست مدن کے قوانین کے لحاظ سے بدی کو بدی کا بدلا دینا اور شریر سے انتقام لینا عدالت اور امن قایم رکھنے کیلئے سب سے زیادہ ضرور ہے اسلئے قرآن نے عدالت کی تعلیم بھی کی ہے جسکو کوتاہ بین لوگ علوطلبی یا ظلم یا جذبات نفسانی کی پیروی کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ یہہ لوگ قرآن کے ہر ایک حکم کے موقع و محل اور ضرورت کو غور سے سمجھ لیں تو پھر کوئی اعتراض قرآن پر وارد نہ ہو۔

متاخرین کے علوم سیاست مدن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا فرض گورنمنٹ کا اپنی رعایا میں امن قایم رکھنا اور اونکو اپنی ہر طرح کی بہبودی میں ترقی کرنیکی آزادی دینا ہے اور بلکہ جسقدر اس امر میں مدد دینا ہے اور اونکے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرنی اور اونکے دلی خیالات کی رعایت رکھنی ہے اسلئے عمدہ گورنمنٹ کا یہہ کام ہے کہ رعایا میں جو رسوم رواج پہلے سے موجود ہوں جہانتک وہ باتیں رفاہ عام میں خلل انداز نہ ہوں اونکی بھی رعایت رکھی جاوے بلکہ جو رسم رفاہ عام اور امن کے

خلاف ہو انہیں اسقدر اصلاح کیجاے جس سے فساد کا اندیشہ رفع ہو جاے۔ ان عمدہ اصول کے موافق اسلام کی گورنمنٹ نے جو رواج عرب میں پہلے سے موجود ہے اونکو دفعتہ موقوف نہیں کیا البتہ ضرورت کے موافق اسلام کی گورنمنٹ نے اصلاح کردی مثلاً تعداد ازدواج۔ طلاق اور لونڈی غلاموں کا حق ملکیت پہلے سے عرب میں جائز خیال کیا جاتا تہا۔ اسلام کی گورنمنٹ نے اون رواجوں کو دفعتاً موقوف نہیں کیا۔ بلکہ اونکی اصلاح کی یعنے تعداد ازدواج کو محدود کیا۔ طلاق کی تعداد کو بہی محدود کیا۔ اور جن غلام لونڈیوں پر جنکو حق ملکیت حاصل ہو چکا تہا اونکو قائم رکہا۔ مگر غلاموں کی حالت میں بہت کچہہ اصلاح کی گورنمنٹ اس سے زیادہ اور کچہہ اصلاح نہیں کر سکتی تہی اور نہ اوسکو زیادہ دخل دینا مناسب تہا۔ آج کے زمانہ میں خود شائستہ سلطنتیں اپنی رعایا کے رواجوں میں اس سے زیادہ دخل نہیں دے سکتیں البتہ غلاموں کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے مگر یہہ استثنا ظاہری ہے اصل میں دیکہا جاے تو جسوقت انگلستان اور تمام یوروپ اور امریکہ میں غلام کثرت سے موجود تہے اور اونکی آزادی بہی ضروری سمجہی گئی تہی۔ اوسوقت یہہ قومیں بہی دفعتہ غلاموں کی آزادی کا حکم نہیں دے سکیں۔ البتہ بہت طرحکی حکمت عملیوں سے اس رواج کو گہٹاتی گہٹاتی جب دیکہا کہ اب غلاموں کی تعداد بہت کم رہگئی تب آیندہ کیلیے اونکی ممانعت کر دیگئی۔ اسلام نے اونسے بڑہکر غلاموں کی آزادی کے لیے بہراوزن کیے مگر وہ پر اوزن حکومت کے طور پر نہ تہے بلکہ مذہب کے طور پر تہے البتہ بعض صورتوں میں جبر کے قریب پہنچ جاتے تہے مثلاً جو شخص اپنے غلام کو مارے اوس گناہ کا کفارہ اوس غلام کا آزاد کرنا ہے اور جو قسم توڑے اوسکا کفارہ بہی غلام آزاد کرنا ہے بعض خطا کیصورتوں میں بہی غلام آزاد کر دینے کا حکم ہے اور بہت گناہوں کا کفارہ بہی غلام کا آزاد کرنا ہے۔ پہر لونڈی غلام کو اپنے جیسا کہلانے پلانے کا حکم دیا ہے جس سے مالکو نہایت ناقابل برداشت بوجہ پڑا۔ پہر بغیر کسی گناہ کے غلام کا آزاد کرنا بڑی اعلیٰ درجہ کے ثواب کا موجب بتلایا گیا۔ پہر یہہ حکم دیا گیا کہ جو غلام مکاتب ہوکر آزاد ہونا چاہے تو مالک اوسکو آزاد کر دیا کرے اور اوسکی قیمت مسلمانوں کے بیت المال سے

ادا کیجا یا کرے۔ غرض جو غلام موجود تھے اونکی آزادی کے لئے تو ایسے بندوبست کئے گئے اور آیندہ کو غلام بنانے کے لئے ممانعت کردیگئی۔ کیونکہ جب فرمایا کہ جنگ کے قیدیونکو یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا کرو اور یا احسان کرکے چھوڑ دیا کرو۔ تو اب غلام بنانے کی کوئی صورت نہ رہی ایسی ہی ترکیبوں سے یورپ نے غلامی کا رواج موقوف کیا ہے مگر قرآن نے بارہ سو سال پہلے سے یہہ حکمت بتلادی تہی۔ اور جو غلاموں کا رواج مسلمانوں میں کہیں کہیں موجود ہے وہ اسی قسم کا ہے جسکی اجازت اسلام نہیں دیتا بلکہ ہوا پرستی کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ مگر اسطرح سے اور گناہ بہی مسلمان کرتے ہیں اونکے ایسے افعال کا الزام قرآن پر نہیں آسکتا۔

تعدد ازدواج کا بہی یہی حال ہے کہ عدل کا کرنا ہر موقع پر فرض بتلایا گیا ہے اور پہر فرمایا گیا ہے کہ اگر عدالت نہ ہونے کا عورتوں کے ساتھہ اندیشہ ہو تو صرف ایک عورت کیا کرو اور پہر فرمایا کہ عورتوں کے ساتھہ تم ہرگز عدالت نہیں کرسکتے۔ اگر آپ کرنا چاہو بہی۔ ان آیات کے مقابلہ کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک سے زیادہ نکاح ایک زمانے میں ہونے نہیں چاہئیں۔ نکاح کرنے سے ایک سے زیادہ چار تک بہی ہوں زنا کا الزام نہیں آسکتا۔ لیکن قرآن کے ہر ایک مسئلہ میں موقع دیکھہ لینا چاہیے۔ کہ یہ مسئلہ تہذیب اخلاق کے متعلق ہے یا سیاست مدن سے تعلق رکہتا ہے تب قرآن کی خوبی ذہن نشین ہوسکتی ہے۔

اسیطرح اخلاقی تعلیم کے ذریعے سے قرآن نے طلاق کے رواج کو بہت محدود کردیا جبکہ فرمایا کہ اپنی عقود کو پورا کیا کرو۔ تو نکاح بہی ایک عقد ہے جسکا معاہدہ مدۃ العمر کے لئے کیا جاتا ہے۔ جب تک شرائط معاہدہ میں خلل نہ واقع ہوا کرے تب تک طلاق دینا بہی قبیح سمجہا جاتا ہے۔

اس زمین پر جس زمانے میں انسانی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملکوں میں رہتی تہیں ایک قوم کو دوسری قوم سے کچہہ تعلق نہ ہوتا تہا نہ بحری نہ بری سفر کرنیکے وسائل حاصل ہوتے تھے نہ لکہنا پڑہنا لوگونکو آتا تہا اوس زمانے میں بہی مذہب کی ضرورت سب کو تہی کیونکہ

مذہب وہ قانون ہے جو انسان کو ایسی عمدہ طرز سے زندگی بسر کرنیکے اصول بتلاتا ہے جو اوسکی
دنیوی اور دینی حاجت روائی کیلئے کافی ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا مذہب محض تعلیم
و محض ازمان ہونا چاہئے کہ اوس سے علیحدہ علیحدہ ہر ایک قوم کی حاجت روائی ہو۔
اسوقت میں کسی ایک قوم کو ایسے مذہب کی تعلیم دینا جو تمام روئے زمین کے انسانوں
کے لئے ضروری ہے بالکل بیفایدہ تہا کیونکہ جب ایک ملک سے اور ایک قوم سے
تمام ملکوں اور تمام قوموں میں علم کے پھیلنے اور پھیلانے کے وسایل حاصل نہیں تھے
تو اوسوقت صرف ایک قوم کو سچے مذہب کی تعلیم ہونے اور دوسرونکو اوس سے محروم
رکھنا انصاف اور قانون قدرت کے خلاف تہا چنانچہ تاریخی شہادت سے یہ بات
ثابت ہوئی ہے کہ جسطرح سے زبان ہر ایک قوم کی علیحدہ علیحدہ ہوتی تھی اوسیطرح سے
اوسوقت مذہب ہر ایک قوم کا علیحدہ ہوتا تہا۔ اور قرآن میں بھی بتلایا گیا ہے کہ ہر ایک
قوم کے واسطے ہادی بہیجا گیا تہا لیکن جب مسیحؑ کے زمانے میں رومیونکی سلطنت دنیا
کی شایستہ قومونکی بڑی تعداد میں پہنچگئی تھی تو اوسوقت مسیحؑ کی تعلیم بھی بہ نسبت پہلے
نبیونکے زیادہ عام قسم کی ہوئی۔ اور اوس زمانہ سے دنیا کی قوموں میں زیادہ تعلقات باہمی
پیدا ہونے لگے۔ لکہنے اور پڑھنے کا رواج زیادہ ہوتا گیا سفر کے سامان بھی زیادہ نکل آئے
اور رومی اور پارسی سلطنتوں نے قریباً تمام قومونکو ملا دیا تہا تمام دنیا میں تجارت کے رستے
کھل گئے تھے تعلقات کے پیدا ہونے سے اور نئی حالت کے ظاہر ہونیسے پرانے
مذہبوں میں بڑا انقلاب پیدا ہو گیا اور مذاہب اصلی حالت پر رہنے کے قابل نہ رہے کیونکہ
پہلے مذہبوں میں عموماً تحکم کے طور پر تعلیم ہوتی تھی اب علوم کی ترقی سے لوگوں کے خیالات
زیادہ آزاد ہوگئے اور ہر ایک امر کی دلیل اور وجہ تلاش کرنے لگے ہر ایک مذہب میں تفتیش
کرنے والے علما کی تاویلات اور توجیہات نے مذہبونکی اصلی صورتونکو بدل دیا یہہ حالات
دیکہکر عوام کو مذہبونپر اعتقاد نہ رہا تو اوسوقت ایک ایسے مذہب کی حاجت ہوئی جو صرف تحکم
سے تعلیم نہ دیوے بلکہ ساتھہ ہی ایسے دلائل بھی ہوں جو انکی تفتیش کرنے والے دلکو
تسلی دیویں اور وہ مذہب کسی قوم کے ساتھہ خاص نہ ہو بلکہ اوسکی تعلیم ایسی ہو کہ جس سے

ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم فایدہ اٹھا سکے۔ اور چونکہ یہہ قانون قدرت ہے کہ جب
کسی مخلوق کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اوسکے رفع کرنیکے سامان قدرت سے پیدا
ہو جاتے ہیں اسی قاعدہ کے موافق مسیحؑ سے چھ سو سال کے بعد جزیرہ نما عرب میں جو
رومی اور فارسی سلطنتوں کی درمیان اور تمام دنیا کی سلطنتوں سے ہمیشہ آزاد رہا تھا
ایک رسول پیدا ہوا اور اوس نے وہ مذہب تعلیم کیا جو دنیا کی تمام قوموں کے لئے کافی
ہو اور جو کچھہ بتلایا وہ بادلیل بتلایا پہلے تمام مذہبوں میں جسقدر امور ایسے موجود تھے جو
ہر ایک انسان کے واسطے واجب التعمیل تھے اون سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ اور
باقی مسایل کو چھوڑ دیا اور پہلے مذہبوں کے متبعین میں جو بہت روحانی معاملوں کی نسبت
بحث اور اختلاف واقع ہو گیا تھا اور کچھہ سمجھہ میں نہیں آتا تھا اونکو دلائل سے فیصل کر دیا۔ سب سے
بڑا اختلاف تو یہہ تھا کہ ہر ایک مذہب کے حکما تو اسبات پر زور دیتے تھے کہ مذہب انسان
کی عقل کے موافق ہونا چاہئے ورنہ ایسی مخلوق کے لئے جو عقل رکھتی ہے اور مختار ہے
ایسے مذہب کی تعلیم دینی جو سمجھہ میں نہ آوے کسطرح سے مفید ہوسکتی ہے اور اس بنا پر جنکو
اپنے مذہب کا پاس ہوتا تھا وہ تاویلیں کر کے اپنے مذہبی مسایل کو عقل کے موافق بنانے
میں کوشش کرتے تھے۔ اور بعض لوگ مذہب کو ایک جبری قہری فرمان کیطرح مانتے تھے
مگر قرآن نے اس بڑے اختلاف کا فیصلہ اسطرح سے کیا کہ مذہب نہ صرف عقل کے موافق ہے
اور نہ صرف جبری قہری فرمان ہے جسکی ضرورت کسی کی سمجھہ میں نہ آوے بلکہ وہ ایک فطری
امر ہے جسکو ہر ایک شخص طوعاً و کرہاً مانتا ہے اور اس مسئلہ کو اسطرح سے تعلیم کیا۔
"پیروی کرو مذہب ابراہیم سو حنیف کی وہ مذہب کیا ہے وہ فطرت ہے اللہ کی
جس پر اوس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی پیدایش میں کبھی تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔
دین سیدھا ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔" اسطور سے قرآن نے بتلا دیا کہ مذہب
کوئی جبری قہری قانون نہیں ہے۔ بلکہ ایک فطری امر ہے جو اکثر تعلقات دنیاوی
اور جذبات نفسانی اور وہمیات اور خراب تعلیم کے باعث اپنی اصلی حالت سے
متغیر ہو جاتا ہے اور اسی امر کی تہذیب اور اصلاح اصلی مذہب ہے جسکا رکن اعظم

توحید باری ہے اور باقی امور اوسکی توابع کیطرح ہیں۔ اسی مضمون کو ایک اور آیت میں اسطرح سمجہاتا ہے   قسم ہے نفس کی اور اوسکی درستی کی پس خدا نے الہام کیا اوسکو کہ یہ کام تیرے لیے بُرے ہیں اور یہہ کام تیرے واسطے اچھے ہیں بیشک خلاصی پائی اوس شخص نے جس نے اوسکو مہذب کیا اور خسارہ میں رہا وہ شخص جس نے اوسکو دبا دیا۔ یعنے اوسکے الہاموں پر عمل نکیا۔ یعنے ہر ایک نفس انسانی میں فطرت یعنے نیکی بدی کا علم دیا گیا ہے پہر جو شخص اوس فطرت کے موافق عمل کرے وہ خلاصی پائیگا اور جو شخص اوس سے بے پروائی کریگا وہ خسارہ میں رہے گا۔

علاوہ اِن صداقتوں کے اور بہت امور مختلف فیہ کی نسبت قرآن نے بڑے معقول فیصلے دیے ہیں۔ مثلاً معجزہ کیا شے ہے تقدیر کیا ہے الہام کیا ہے وغیرہ وغیرہ مگر ان میں کا ہر ایک مسئلہ ایسا ہے کہ اوسکی پوری بحث کے لئے ایک ایک مستقل رسالہ لکھنا مناسب ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ بشرط فرصت و توفیق کبھی آئندہ لکھی جائیں گے ٭ فقط

سپر یاں سینے کہاں سے تیرے سرنگوں بیشتر بید
آقا ہاتھی اٹھے روز یہ بھی شان ہم زمین الٰہی بدن